بسم اللہ الرحمن الرحیم

وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ. (الزمر:٦٧)

اوران لوگوں نے اللہ کی قدر ہی نہیں پہچانی جیسا کہ اس کی قدر پہچاننے کا حق تھا۔

ایمان میں یقین کس طرح پیدا کریں

تصنیف

عبداللہ صدیقی

ریسرچ اسکالر آف ایمانیات

زیرسرپرستی

مولانا محمد سراج الہدیٰ ندوی ازہری

استاذِ حدیث وفقہ دارالعلوم سبیل السلام حیدرآباد

ناشر

عظیم بک ڈپو، دیوبند، یوپی، انڈیا

حق طباعت غیر محفوظ

(بغیر کسی تبدیلی کی چھپوانے کی عام اجازت ہے)

نام کتاب:۔ ایمان میں یقین کس طرح پیدا کریں؟

مرتب:۔ عبداللہ صدیقی

زیر سرپرستی:۔ محمد سراج الہدیٰ ندوی ازہری

سنہ طباعت:۔ ۲۰۲۲ء مطابق ۱۴۴۳ھ

تعداد اشاعت:۔ ۳۰۰

کمپیوٹر کتابت:۔ محمد کلیم الدین سلمان قاسمی، حیدرآباد۔ 9963770669

ناشر:۔ عظیم بک ڈپو، دیوبند، یوپی، انڈیا۔

اس کتاب کے علاوہ دوسرے اسماءِ الٰہی میں غور وفکر کے لئے ہماری کتاب تعلیم الایمان کے تمام حصے پڑھئے اور ایمان بالکتب، ایمان بالرسالۃ، ایمان بالآخرۃ، ایمان بالقدر (تقدیر) پر شعوری اور عقلی اعتبار سے ایمان پیدا کرنے کیلئے ''ایمانِ مفصل کو سمجھانے کا طریقہ'' پڑھئے، اس کے علاوہ اولاد کو مسلمان بنانے اور لڑکیوں کو شادی سے پہلے باشعور بنانے والی دونوں کتابیں ضرور پڑھئے اور اپنے خاندان میں تحفہ دے کر دعوتِ دین کا حق ادا کیجئے۔

عظیم بکڈپو دیوبند یوپی سے نصف قیمت پر کتابیں حاصل کر سکتے ہیں۔

مدارسِ اسلامیہ کو ان کی خواہش پر ایک نسخہ تحفۃً دیا جائے گا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تقریظ

از:۔ مولانا مفتی محمد روشن شاہ صاحب قاسمی
(مہتمم دارالعلوم سونوری، نیشنل ہائی وے نمبر:٦، تحصیل مرتضیٰ پوری، ضلع اکولہ، مہاراشٹرا)
Mobile:09422162298, 08550952228

ایمان کا حاصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذاتِ عالی کو پہچان کر یقین واعتماد کرتے ہوئے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی تعلیمات کو سچا مان لینا اور دل سے یقین کر لینا اور اسی ایمان پر دنیا وآخرت کی فوز وفلاح منحصر ہے، اس کی تصحیح وتکمیل کی فکر مومن کا اوّلین فریضہ ہے، نبویؐ تعلیم وتربیت کی شاہکار مقدس جماعت صحابہ رضی اللہ عنہم کا ارشاد ہے کہ ''**تعلمنا الایمان ثم تعلمنا القرآن۔** پہلے ہم نے ایمان کو سیکھا پھر قرآن کو سیکھا''، ایمان کے ذریعہ انسان معرفتِ ذات وصفاتِ باری تعالیٰ حاصل کرتا ہے اور یہی معرفت اطاعتِ خداوندی کی طرف لے جاتی ہے، اور یہ نبویؐ تربیت ہی کا کرشمہ تھا کہ ہر صحابیؓ کو قیامت تک آنے والوں کے لئے نمونہ قرار دیا گیا، امت کی اصلاح وارشاد کا کام اللہ تعالیٰ نے جن مبارک شخصیات سے لیا انہوں نے بھی سب سے پہلے ایمانی تربیت ہی کی فکر فرمائی، چاہے وہ شاہ اسماعیل شہیدؒ ہوں یا مولانا الیاس صاحبؒ وغیرہ۔

محترم عبداللہ صدیقی صاحب زید مجدہم کو اللہ تعالیٰ نے شعوری ایمانیات کی تعلیم وتربیت کی خاص الخاص توفیق عطاء فرمائی، اس باب کو ان پر منشرح فرمایا، جس کی بدولت ''**تعلیم الایمان**'' کا مبارک سلسلہ شروع ہوا، جس سے بلاشبہ ہزاروں افراد کو فائدہ اور فیض پہنچ رہا ہے اور امت کے بیشتر اکابر ومشائخ اس کی افادیت اور تاثیر کے قائل ومعترف ہیں، بندہ نے موصوف کی کتابوں کا مطالعہ کیا، انہیں امت کے ہر طبقہ کے لئے اور بالخصوص نوجوانوں اور طلبہ وطالبات کے لئے بہت مفید پایا، یہ کتابیں اس لائق ہیں کہ اسے مدارس، مکاتب، عصری تعلیمی اداروں اور اسکولوں میں داخل نصاب کی جائیں، کیونکہ کتابیں عام فہم ہونے کی وجہ سے

ہر طبقہ کے لئے قابلِ استفادہ ہیں، محترم عبداللہ صدیقی صاحب نے اس ناکارہ کو اپنے حسنِ ظن کی وجہ سے تقریظ لکھنے کی درخواست کی، ناکارہ نے ان کی درخواست پر اور اس کارِ خیر میں اپنی شرکت کو سعادت سمجھ کر حسبِ خواہش یہ چند کلمات تحریر کر دئے، اللہ تعالیٰ نے موصوف کے کام میں برکت عطاء فرمائی، ان کی ۴۲؍ سے زیادہ کتابیں منظرِ عام پر آ کر داد و تحسین حاصل کر چکی ہیں اور اب یہ نئی کتاب ''ایمان میں یقین پیدا کرنے کا طریقہ'' جو اپنے موضوع پر بہت ہی اہم ہے، زیورِ طبع سے آراستہ ہو کر قارئین کے ہاتھوں میں پہنچ رہی ہے،...... بہ دل و جان دعاء ہے کہ اللہ تعالیٰ کتاب کے مصنف اور کتاب کے فیض کو خوب عام فرمائے اور ان خدمات کا بیش از بیش اجر مرحمت فرمائے اور اپنی بارگاہ میں شرفِ قبولیت سے نوازے۔ آمین

بتاریخ: ۱۱؍ رمضان المبارک ۱۴۳۴ھ — فقط والسلام

۲۱؍ جولائی ۲۰۱۳ء۔ بروز اتوار — مفتی محمد روشن شاہ قاسمی

☆☆☆☆☆

عبداللہ صدیقی کی کتابوں پر اجمالی تبصرہ

اچھی تعلیم و تربیت انسانوں کی ایک ایسی ضرورت ہے جس سے کوئی بھی عقلمند اختلاف نہیں کر سکتا؛ اسی ضرورت کی تکمیل کے لئے متعدد ذرائع استعمال کئے جاتے ہیں، زبان، قلم، عمل سے رہبری، مجالستِ صالحین؛ پھر اس تعلیم و تربیت میں ایسی دینی تعلیم جس سے مقصدِ زندگی معلوم ہو، بہترین زندگی سے واقفیت ہو اور مکمل زندگی خوش اسلوبی سے گذارنے کا انسان خوگر ہو جائے؛ اس کے لئے سب سے پہلی اور بنیادی چیز یہ ہے کہ انسان اپنی حقیقت سے آگاہ ہو اور اپنے پیدا کرنے والے خالق و مالک کو پہچانے، اس لئے اس بات کی غیر معمولی اہمیت ہے کہ تعلیم و تربیت اس انداز سے ہو کہ انسان خود کو جانے اور اپنے رب کو پہچانے؛ چنانچہ آغازِ تعلیم میں اور ابتداء وحی قرآنی میں جو آیاتِ مبارکہ سب سے پہلے اُتاری گئیں ان میں غور کرنے سے واضح طور پر اللہ اور بندہ کا تعارف سمجھ میں آ سکتا ہے، اللہ وہ ہیں جو حکم فرمانے والے ہیں بندہ وہ ہے جس کو حکم دیا جا رہا

ہے، اللہ وہ ہے جو بندہ کی حاجتوں کو پورا کرنے والا ہے اور بندہ وہ ہے جو حاجتوں والا ہے، اللہ وہ ہے جس نے پیدا کیا اور بندہ وہ ہے جس کو پیدا کیا گیا، اللہ وہ ہے جو بڑا کریم ہے، بندہ وہ ہے جو معمولی ہے، اللہ وہ ہے جو علم دینے والا ہے، بندہ وہ ہے جو ناواقف اور محتاجِ علم ہے، جب ابتدائے تعلیم میں بندہ کو اپنے بارے میں پوری سوجھ بوجھ کے ساتھ یہ واقفیت حاصل ہوجائے گی اور گہرے شعور کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل ہوجائے گی تو پھر تعلیم کا جو اثر ہوگا وہ واضح ہے، یعنی سمع وطاعت کو وہ ضروری سمجھے گا، اپنے خالق ورب کے فرمان کے مطابق زندگی بنانے کو لازم جانے گا؛ پھر بندے میں شانِ بندگی آئے گی رب تعالیٰ کی مرضیات پر چلنا سہل ہوگا اور اللہ تعالیٰ کی عظمت اور اس کے احسانات کے سبب ہر حکم کو مانے گا، ایسا نہیں کہ ایک حکم مانے ایک نہ مانے؛ جیسا کہ آج کل بکثرت اس کا مشاہدہ کیا جاتا ہے، یہ نقص دین میں عامۃً عدم معرفت اور گہرے شعور میں کمی کی وجہ سے پایا جاتا ہے اور جو ماننا پورے فہم وشعور سے ہوتا ہے تو اس کے نتیجہ میں زندگی کے ہر شعبہ میں مرضیاتِ الٰہیہ کا لحاظ بندہ کرنے لگتا ہے؛ خواہ وہ عقائد سے متعلق ہوں یا عبادات سے، معاملات سے متعلق ہوں یا معاشرت سے، اخلاقیات سے متعلق ہوں یا افکار سے؛ الغرض حقوقِ خالق اور حقوقِ مخلوق سب ہی کی ادائیگی کا اہتمام کرنے لگتا ہے۔

محترم عبداللہ صدیقی صاحب کی کتابوں میں یہی وہ تعلیمی واصلاحی رخ اور افہام وتفہیم کا پہلو ہے جو نمایاں ہے اور دیگر عام دینی کتب سے امتیازی خصوصیت رکھتا ہے، جو دراصل ان کے شیخ محترم حضرت مولانا شاہ محمد کمال الرحمان صاحب قاسمی مدظلہ کی فیضِ صحبت اور حسن تعلیم سے انہیں حاصل ہوا اور ماشاء اللہ انہوں نے اب تک تقریباً چالیس کتابیں مختلف موضوعات پر لکھیں اور مستحسن نگاہوں سے دیکھی گئیں، بندہ نے موصوف کی بعض کتابیں پڑھیں، جس کو مفید پایا، زبان سادہ اور عام فہم ہے، ضرورت ہے کہ ان سے خوب استفادہ کیا جائے، اللہ تعالیٰ ان کی خدمات کو قبول فرمائے اور لوگوں کے لئے نافع بنائے، آمین۔

بتاریخ: ۲۸/ مارچ ۲۰۱۳ء

(حضرت مولانا) شاہ محمد جمال الرحمان مفتاحی
سابق امیر ملتِ اسلامیہ آندھرا پردیش سرپرستِ اعلیٰ لجنۃ العلماء آندھرا پردیش
وتحفظ ختم نبوت آندھرا پردیش

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ایمان میں یقین کس طرح پیدا کریں؟

سوال:۔ دنیا انسانوں اور جنوں کے لئے کیا ہے؟

جواب:۔ دنیا انسانوں اور جنوں کے لئے امتحان و آزمائش کی جگہ ہے، یعنی Examin-ation Hall ہے، دنیا میں اللہ نے امتحان کی خاطر جنت اور دوزخ کے بازار رکھے ہیں، یہاں جنت کا سامان بھی ملتا ہے اور دوزخ کا سامان بھی ملتا ہے، انسانوں اور جنات کو اختیار اور آزادی ہے کہ وہ چاہیں تو جنت کا سامان خرید لیں یا دوزخ کا سودا کر لیں۔

☆ دنیا میں ایک جنت والا راستہ ہے، دوسرا دوزخ والا راستہ۔

☆ دنیا میں ایک صحیح راستہ ہے، دوسرا غلط راستہ۔

☆ دنیا میں ایک نیکی کا راستہ ہے، دوسرا گناہ کا راستہ۔

☆ دنیا میں ایک پیغمبر کا راستہ ہے، دوسرا شیطان کا۔

☆ امتحان صرف اس بات کا ہے کہ کون برائی کی طاقت رکھ کر نیکی اختیار کرتا ہے؟

☆ کون دوزخ کے راستہ سے نفرت کر کے جنت کے راستہ پر چلتا ہے؟

☆ کون شیطان سے دور رہ کر پیغمبر کے راستہ پر چلتا ہے؟

سوال:۔ حضرت محمد ﷺ کے بعد اگر کوئی کسی کو پیغمبر مانے تو کیا وہ مسلمان ہوگا؟

جواب:۔ اگر کوئی حضرت محمد ﷺ کے بعد کسی بھی انسان کو نبی مانے اور اس کو رسول اللہ ﷺ کی جگہ یا رسول اللہ ﷺ کے بعد پیغمبر تسلیم کرے تو وہ کافر ہوگا، حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی محمد رسول اللہ ﷺ کے امتی ہوں گے اور آپ ﷺ کی نبوت اور تعلیمات کی دعوت دیں گے، وہ خود اپنی نبوت کی دعوت و تعلیم نہیں دیں گے۔

سوال:۔ دنیا سے ہٹ کر دوسری جگہ ایمان کیوں قبول نہیں کیا جائے گا؟

جواب:۔ دنیا سے ہٹ کر کسی بھی جگہ ایمان قبول نہیں کیا جائے گا، اس لئے کہ دنیا کے علاوہ عالم الست، نسل در نسل منتقل ہونا، ماں کا پیٹ، عالم برزخ، میدانِ حشر، جنت اور دوزخ یہ مقامات دارالاسباب نہیں ہیں، وہاں تمام چیزیں اسباب کے بغیر ملتی ہیں، اللہ تعالیٰ بغیر اسباب کے تمام چیزیں عطا فرماتا ہے، ہر شخص تمام کام اللہ تعالیٰ سے بغیر اسباب کے ہوتا ہوا دیکھے گا، وہاں نہ اللہ تعالیٰ کا انکار کرے گا اور نہ کسی چیز میں اللہ جیسی قدرت مانے گا، اس لئے وہاں نہ ایمان کا مطالبہ ہوگا اور نہ وہاں ایمان لانا قبول کیا جائے گا۔

سوال:۔ دنیا میں ایمان کے قبول اور معتبر ہونے کا وقت کیا ہے؟

جواب :۔ دنیا میں موت سے پہلے عالم سکرات شروع ہونے سے قبل تک ایمان لانے کی مہلت دی گئی ہے، اگر سکرات شروع ہوجائے تو پھر ایمان لانا قبول نہیں کیا جائے گا، اس لئے کہ موت کے حالات شروع ہوتے ہی عالمِ آخرت کی مختلف چیزیں فرشتے اور عذاب وغیرہ نظر آنا شروع ہوجاتے ہیں، فرشتوں کو دیکھ کر، برزخ کے حالات اور اللہ کا عذاب دیکھ کر ایمان لانا ایمان بالغیب نہیں کہلاتا، یہ سب چیزیں دیکھے بغیر ایمان لانا اصل ایمان ہے۔

سوال:۔ آخرت میں ناکامی کے بعد بار بار امتحان کا موقع کیوں نہیں دیا جاتا؟

جواب :۔ ایک انسان جب فیل ہوجائے گا تو میدانِ حشر میں اللہ تعالیٰ سے دوبارہ دنیا میں بھیجنے کی درخواست کرے گا کہ وہ دنیا میں جاکر اللہ کو مان کر اس کی اطاعت کرے گا اور اُسے پھر ایک مرتبہ امتحان کا موقع دیا جائے؟ مگر اللہ تعالیٰ اس کی درخواست کو قبول نہیں کرے گا، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ بحیثیت خالق و مالک ہونے کے یہ علم رکھتا ہے کہ اس انسان کو دوبارہ دنیا میں بھیجنے کے باوجود وہ اللہ کے ساتھ شرک اور نافرمانی ہی کرے گا، اس لئے کہ جب کسی انسان کو دوبارہ دنیا میں بھیجا جائے گا تو امتحان کی خاطر اس کے دماغ کی یادداشت کی رگوں کو دھندلا کرنا پڑے گا، ورنہ امتحان نہیں لیا جاسکتا، پھر اسباب کے درمیان میں رکھ کر امتحان لینے کے لئے زمین، آسمان، سورج، چاند، ستارے، ہوا، دریا، سمندر، جانور، درخت

وغیرہ یہ سب اسباب دوبارہ پیدا کرنے پڑیں گے، پھر حضرت آدم علیہ السلام سے لیکر حضرت محمد رسول اللہ ﷺ تک کے پیغمبروں کو سمجھانے کے لئے بھیجنا پڑے گا اور دوبارہ کتابیں یکے بعد دیگرے نازل کرنی پڑیں گی، تاکہ ہدایت و رہنمائی ہو، بحیثیت خالق اللہ تعالیٰ کو یہ بات معلوم ہے کہ اتنا سب کچھ کرنے کے باوجود وہ ناکام ہوگا، پھر شرک اور نافرمانی ہی کرکے لوٹے گا، اس لئے آخرت میں ایک بار چلے جانے کے بعد دوبارہ امتحان نہیں لیا جائے گا۔

سوال:۔ دنیا کے امتحان اور آخرت کے امتحان میں کیا فرق ہے؟

جواب:۔ دنیا کے امتحان میں امتحان گاہ میں جانے تک پرچہ سوالات نہیں دئے جاتے، امتحان گاہ میں پہنچنے کے بعد پرچہ سوالات دئے جاتے ہیں، مگر ان کے جوابات نہیں بتلائے جاتے، مگر آخرت کی اس امتحان گاہ میں ایسا نہیں ہوتا، یہاں پر کامیاب ہونے کے لئے سوالات کے ساتھ ساتھ جوابات بھی بتلا دئے جاتے ہیں کہ کونسا راستہ کامیابی کا ہے اور کونسا راستہ ناکامی کا؟ اس کو اختیار کرنے کی کھلی آزادی دیدی گئی ہے، دنیا کے امتحان میں سوالات کے جوابات اپنے ذہن پر زور ڈال کر لکھنا پڑتا ہے، آخرت کے امتحان میں انسان کو اپنے عمل سے سوالات کے جوابات کا اظہار کرکے بتلانا پڑتا ہے، قرآن و حدیث پر عمل کرنا ہی صحیح جواب ہوگا، قرآن و حدیث کے خلاف عمل کرنا غلط جواب ہوگا۔

سوال:۔ ایمان کسے کہتے ہیں؟ اور ایمان سے کیا مراد ہے؟

جواب:۔ ایمان کو آسان طریقے سے یوں سمجھو کہ کسی اچھی یا بری چیز کو بغیر دیکھے کسی معتبر انسان کی بات پر یقین کرنا، اعتماد کرنا، سچا جاننا، ایمان کہلاتا ہے، مثلاً اگر ایک کمرے میں سوراخ ہے اور کسی ذمہ دار انسان نے آپ کو یہ اطلاع دی کہ اس کمرے کے اس سوراخ میں سانپ گیا ہے، تو ایسی صورت میں سانپ کو بغیر دیکھے اس اطلاع پر یقین اور اعتماد کرنا، بھروسہ کرنا اور سچا ماننا ایمان کہلائے گا (مثال صرف سمجھانے کے لئے ہے)۔

اس اطلاع پر یقین نہ کرنا یا شک کرنا ایمان نہیں کہلائے گا یا پھر اگر کوئی سانپ کو اس سوراخ میں جاتا ہوا دیکھ کر یا موجود پا کر تصدیق کرے یا سچا مانے گا تو یہ ایمان نہیں کہلائے

گا، اسی طرح کپڑا کالا ہے اور ہم کپڑے کو دیکھتے ہوئے یا کسی کے کہنے پر کپڑے کے کالے ہونے کی تصدیق کریں گے تو یہ بھی ایمان نہیں کہلاتا۔

اطلاع ملنے کے باوجود سوراخ کے قریب ہی بیٹھنا، سونا یہ بھی عمل سے یقین کے نہ ہونے اور نہ ماننے کا اظہار ہوگا، اسی طرح قرآن کی اصطلاح میں رسول اللہ ﷺ کی تمام باتوں کو زبان سے سچا مان کر اس کی دل سے تصدیق کرنا اور عمل سے اس کا اظہار کرنا ایمان کہلائے گا، اگر کوئی آپ ﷺ کی باتوں میں سے کسی چیز کا انکار کرے یا شک کرے اور عمل سے نہ مانے تو یہ حقیقی ایمان نہیں۔

☆ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: "ایمان کا مزہ اس نے چکھا جو اللہ سے اپنے رب ہونے پر، اسلام کے اپنا دین ہونے پر، اور محمد ﷺ سے اپنا رسول ہونے پر راضی اور مطمئن ہوگیا۔ (مسلم)

ایمان کسی تصور اور خالی اقرار کا نام نہیں؛ بلکہ ایمان ایک ایسی حقیقت ہے جو انسان کے دل میں اتر کر انسان کو ایک ارادہ پر ابھارتی ہے اور وہ ارادہ انسان کو بہت سارے کاموں کے کرنے اور بہت سی چیزوں کے چھوڑنے کے لئے مجبور کرتا ہے، یہ کیفیت کب پیدا ہوتی ہے؟ جب حقیقی اور کامل ایمان حاصل ہو جائے۔

کس کا ایمان عجیب ہے؟

حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے پوچھا: سب سے زیادہ عجیب ایمان کس کا ہے؟ صحابہؓ نے کہا: عجیب ایمان ملائکہ کا ہے!، آپؐ نے فرمایا: ملائکہ کو کیا ہوا کہ وہ ایمان نہ لائیں؟ عرش ان کے سامنے، کرسی ان کے سامنے، جنت اور دوزخ ان کے سامنے، وہ ایمان نہ لائیں تو کون ایمان لائے؟! یعنی ان کا ایمان لانا کوئی کمال نہیں، وہ تو دیکھ کر مان رہے ہیں۔

پھر صحابہؓ نے عرض کیا: انبیاء علیہم السلام کا ایمان سب سے زیادہ عجیب ہے، آپؐ نے فرمایا: انبیاء کو کیا ہوا جو ایمان نہ لائیں؟ وحی ان کے اوپر آرہی ہے، فرشتے انہیں نظر آتے ہیں، مشاہدۂ حق میں وہ مشغول ہیں، جلال و جمال کا دروازہ ان پر کھلا ہوا ہے، حق کی تجلی ان کے سامنے ہے، وہ بھی انکار کریں تو اور کون اقرار کرے گا؟ اس لئے ان کا ایمان کہاں عجیب ہوا؟!

صحابہؓ نے کہا: ہمارا ایمان عجیب ہے، فرمایا: تمھیں کیا ہوا کہ تم ایمان نہ لاؤ؟ پیغمبر تمہارے سامنے موجود ہے، وحی تمہارے سامنے اتر رہی ہے، معجزات تم اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہو، تم ایمان نہ لاؤ گے تو کون ایمان لائے گا؟ اس لئے تمہارا ایمان بھی عجیب نہیں۔

پھر صحابہؓ نے عرض کیا: اللہ کے رسول ﷺ ہی بہتر جانتے ہیں کہ سب سے زیادہ عجیب ایمان کس کا ہے؟ آپؐ نے فرمایا: ان کا ایمان سب سے زیادہ عجیب ہوگا جو تمہارے بعد آئیں گے، نہ رسول ان کے سامنے، نہ معجزے ان کے سامنے، نہ وحی اتر رہی ہوگی؛ بلکہ رُکاوٹیں اتنی ہوں گی کہ کوئی ایمان میں شک ڈال رہا ہے، کوئی اسلام سے ہٹانے کی کوشش کررہا ہے، کہیں کفار اور منافقین، کہیں نفس ہزاروں رکاوٹیں ڈال رہا ہے، پھر وہ بھی ایمان پر جمے ہوئے ہوں، ان کا ایمان عجیب ہوگا!

سوال:۔ یقینِ کامل یا حقیقی یقین کسے کہتے ہیں؟

جواب:۔ یقینِ کامل کو اس مثال سے سمجھو! ایک کمرے میں سوراخ ہے اور اس گھر کا ذمہ دار آپ کو یہ اطلاع دے رہا ہے کہ کمرے کے اس سوراخ میں سانپ گیا ہے، اب آپ اس اطلاع پر سانپ کو دیکھے بغیر کامل یقین اعتماد اور بھروسہ کرلیتے ہیں، جیسا کہ آپ نے خود دیکھا اور جانا ہے، اس کو حق الیقین کہیں گے، اس اطلاع کے بعد کمرے میں بیٹھنے، اٹھنے اور ٹھہرنے کے لئے تیار نہیں ہوتے، اسی کامل یقین کی وجہ سے آپ سوراخ سے اور کمرے سے دور رہنا چاہتے ہیں، اور اگر یقین نہ ہو یا کمزور ہو یا شک ہو تو وہاں بیٹھنے اٹھنے میں احتیاط نہیں کریں گے۔

سوال:۔ یقین کتنے قسم کا ہوتا ہے؟ اس کی تفصیل کیا ہے؟

جواب:۔ یقین تین قسم کا ہے: (۱) علم الیقین، (۲) عین الیقین، (۳) حق الیقین۔

(۱) علم الیقین:۔ کتابوں سے یا اخبارات سے یا ریڈیو اور ٹی وی کی خبروں سے یا علامات یا آثار ونشانیوں سے ملتا ہے، مثلاً تاج محل کو آپ نے نہیں دیکھا، صرف کتابوں میں پڑھا ہے یا بارش سے پہلے ٹھنڈی ہواؤں سے بارش کے آنے کی اطلاع ملتی ہے، یا ریل گاڑی اور شیر کی آواز دور سے سنائی دے تو ان کے موجود ہونے کی اطلاع ملتی ہے، اس کو علم الیقین کہتے ہیں۔

(۲) عین الیقین :۔ تاج محل کو آپ نے خود جا کر اور ٹھہر کر اپنی آنکھوں سے دیکھا یا آگ کسی چیز کو جلا رہی ہے یا سانپ کو کمرے میں جاتے ہوئے خود اپنی آنکھوں سے دیکھا، یہ سب عین الیقین کہلاتا ہے، یعنی وہ علم جو آنکھوں کے دیکھنے سے حاصل ہوتا ہے۔

(۳) حق الیقین :۔ تاج محل میں آپ خود گئے، اس کے در و دیوار کو ہاتھ لگا کر دیکھا کہ وہ کس پتھر سے بنا ہوا ہے، ان پر نقش و نگار کیسا ہے؟ وہاں کیا کیا چیزیں تعمیر کی گئیں ہیں؟ یا آگ میں انگلی ڈال کر دیکھا تو معلوم ہوا کہ آگ جلا دیتی ہے اور اس سے تکلیف ہوتی ہے، اس کو حق الیقین کہتے ہیں۔

اس تشریح سے یہ ثابت کرنا مقصود ہے کہ ایمان بھی اسی حق الیقین کے درجہ کا ہونا ضروری ہے، انسان کو یقین ہو کہ اس کی آنکھیں غلط دیکھ سکتی ہیں، عقل غلط سمجھ سکتی ہے، مگر رسول اللہ ﷺ جو دین لائے ہیں اس کی ایک چھوٹی سی بات بھی غلط نہیں ہوسکتی۔

انسانوں کو اللہ، فرشتوں ، کتابوں ، رسولوں، تقدیر اور آخرت پر اور وحی کی تمام باتوں پر حق الیقین کے درجہ کا ایمان ہونا ضروری ہے، اللہ تعالیٰ حق الیقین کے درجہ کا ایمان چاہتا ہے، اس میں کسی قسم کا شک یا انکار نہ ہو۔

سوال :۔ **کیا دنیا کی چیزوں میں انسان کا علم الیقین اور عین الیقین، حق الیقین میں تبدیل ہوتا رہتا ہے؟**

جواب :۔ ہاں! دنیا کی چیزوں میں انسان اپنی جان و مال کی حفاظت کے لئے علم الیقین اور عین الیقین کو حق الیقین میں تبدیل کرتا ہے، مثلاً سانپ کو آپ کمرے کے سوراخ میں جاتے ہوئے نہیں دیکھتے، مگر صرف اطلاع ملنے پر آپ کا علم الیقین حق الیقین میں تبدیل ہوجاتا ہے اور آپ اس اطلاع پر اس کمرے میں داخل ہونا تو دور کی بات ہے اس کمرے میں بیٹھنے اٹھنے کے لئے بھی تیار نہیں ہوتے، یہ یقین اتنا مضبوط ہوتا ہے جیسا کہ آپ نے اپنی آنکھوں سے خود سانپ کو اس سوراخ میں جاتے ہوئے دیکھا ہو، گویا وہ حق الیقین کے درجہ میں تبدیل ہوجاتا ہے۔

☆ آپ نے کسی بلڈنگ پر سے چھلانگ نہیں ماری مگر آپ کو یہ علم الیقین اور عین الیقین

ہے کہ کسی دس منزلہ عمارت پر سے چھلانگ لگائی جائے تو مر جائیں گے، اسی حق الیقین کی وجہ سے آپ چھلانگ لگانے کو تیار نہیں ہوتے، انکار کر دیتے ہیں، اس پر کامل یقین ہوتا ہے، اگر کوئی دس ہزار روپئے بھی دے تو تیار نہیں ہوتے، آپ کا علم الیقین اور عین الیقین، حق الیقین کے درجہ میں پہنچ جاتا ہے، اسی وجہ سے تیار نہیں ہوتے، اس کے برعکس ایک چھوٹا بے شعور بچہ اس کو نہ علم الیقین ہوتا ہے اور نہ عین الیقین اور نہ حق الیقین ہوتا ہے، وہ بغیر کسی جھجک کے بلڈنگ پر سے گر جاتا ہے، سانپ یا آگ کو پکڑنے کے لئے ہاتھ آگے بڑھا دیتا ہے۔

☆ اسی طرح پانی ہر وزنی چیز کو ڈبو دیتا ہے،، یہ آپ کا علم الیقین اور عین الیقین ہوتا ہے، مگر یہ کامل یقین بنا رہتا ہے، حالانکہ آپ کبھی پانی میں نہیں ڈوبے، بہت سے جہازوں کو تیرتا ہوا دیکھتے یا انسانوں اور جانوروں کو تیرتا ہوا دیکھتے، مگر پھر بھی کامل یقین کرتے ہیں کہ میں ڈوب جاؤں گا، اگر کوئی دس ہزار روپئے بھی دے تو آپ اسی کامل یقین کی وجہ سے پانی میں چھلانگ لگانے پر ہرگز تیار نہیں ہوتے، اس لئے کہ پانی میں ڈوبنا حق الیقین کی کیفیت میں ہے۔

☆ بجلی جلاتی ہے، بعض حالات میں تو جسم کو پکڑ لیتی ہے، اکثر اخبارات میں ہم پڑھتے بھی ہیں کہ فلاں دن فلاں شخص کو بجلی کے وائر نے چمٹ لیا اور وہ وہیں ڈھیر ہو گیا، یہ علم الیقین اور عین الیقین اتنا پختہ اور مضبوط ہوتا ہے کہ وہ حق الیقین کا درجہ اختیار کر لیتا ہے، جس کی وجہ سے اگر کوئی آپ کو دس ہزار روپئے دینے کے باوجود گھر کے وائر کو ننگی حالت میں دس منٹ پکڑنا تو دور، ایک لمحہ کے لئے بھی پکڑنے کو کہے تو آپ اس سے انکار کر دیتے ہیں۔

☆ سانپ کا انسان سے بہت کم سابقہ پڑتا ہے، شہر میں رہنے والے سوائے ٹی وی کے عموماً وہ سانپ کو دیکھ ہی نہیں پاتے، اکثر اخبارات اور کتابوں کی وجہ سے سانپ کے کاٹنے اور اس کے زہر کے تعلق سے علم الیقین رکھتے ہیں، اب اگر کوئی آپ سے کہے کہ اس سوراخ میں سانپ ہے، اس بل میں ہاتھ ڈالئے تو آپ کو دس ہزار روپئے دئے جائیں گے، تو آپ باوجود سانپ کو نہ دیکھنے کے اور یہ بھی علم رکھتے ہیں کہ سب سانپ زہریلے نہیں ہوتے، مگر فوراً انکار کر دیں گے، حالانکہ سانپ نے کبھی آپ کو ڈسا بھی نہیں، مگر آپ کا علم الیقین حق

الیقین کے درجہ میں آ کر کامل یقین بن گیا کہ اس کا زہر خطرناک ہوتا ہے اور انسان مر جاتا ہے، اس لئے تیار نہیں ہوں گے، غرض ایسی بہت ساری چیزیں علم الیقین اور عین الیقین کی وجہ سے حق الیقین میں تبدیل ہوتی رہتی ہیں، مگر بعض چیزوں پر صرف ٹی وی اور ریڈیو کی اطلاع پر حق الیقین پیدا ہو جاتا ہے۔

☆ کوئی سائنسداں یہ اعلان کر دے کہ فلاں علاقہ میں رات ۱۲؍ بجے زلزلہ آنے والا ہے، تو انسانوں کا یہ علم الیقین اتنا طاقتور ہو جاتا ہے کہ چار چھ گھنٹے پہلے ہی وہ جگہ خالی کر کے بھاگ جاتے ہیں، یا حکومت کی طرف سے یہ اعلان آ جائے کہ آج رات دس بجے سمندر میں سونامی یا طغیانی یا آندھی اور طوفان آنے والا ہے، تو یہ علم الیقین' حق الیقین کا درجہ اختیار کر لیتا ہے اور لوگ بہت پہلے ہی سے محفوظ مقامات پر چلے جاتے ہیں۔

☆ اسی طرح اگر کوئی ڈاکٹر کسی انسان کو یہ کہے کہ آپ کے دل اور گردے میں یہ خرابی ہے، آپ فلاں فلاں چیزوں سے پرہیز کریں یا آپ کو کینسر ہو سکتا ہے، آپ کو فلاں فلاں چیزیں چھوڑنی ہوں گی، تو باوجود مریض اپنے دل اور گردے کو دیکھے بغیر یا بیماری کی اطلاع پر کامل یقین کر کے سخت پرہیز شروع کر دیتا ہے، اس کا علم الیقین، حق الیقین بن جاتا ہے۔

☆ اتنا ہی نہیں اگر اخبارات میں یہ اطلاع آ جائے کہ فلاں تالاب کے پانی میں زہریلا مادہ زیادہ ہے یا فلاں غذاء سے فلاں خرابیاں پیدا ہو رہی ہیں، تو لوگ وہ پانی اور غذاء چھوڑ دیتے ہیں، یہ علم الیقین کامل یقین بن کر حق الیقین بن جاتا ہے۔

☆ حکومت اعلان کرتی ہے کہ فلاں علاقہ میں مرغیوں کو برڈ فلو ہو گیا ہے، لوگ مرغی کھائے بغیر یقین کر کے مرغی کا استعمال چھوڑ دیتے ہیں۔

امام غزالیؒ نے ارشاد فرمایا: اے ایمان والو! ذرا انصاف سے بتاؤ! اگر ایک یہودی طبیب تم سے کہہ دے کہ تمہارے لئے فلاں غذاء مضر ہے، تو تم اس پر آنکھ بند کر کے ایمان لے آتے ہو اور اس غذا کو چھوڑ دیتے ہو، اسی طرح اگر ایک بچہ یہ اطلاع دیتا ہے کہ تمہارے کپڑوں میں بچھو ہے، تو تم کوئی دلیل مانگے بغیر کپڑے اتار پھینکتے ہو، مگر انبیاء کی بات پر

ایمان کمزور رکھتے ہو، یقین نہیں کرتے، پیغمبر تمہیں کہتے ہیں کہ تمہارے فلاں عمل میں نارِ جہنم، زقومِ جہنم، سانپ، بچھو، کھولتا ہوا گرم پانی، گندھک کے کپڑے پوشیدہ ہیں، تو تم یقین نہیں کرتے اور سچا نہیں جانتے۔

سوال:۔ دنیا کی چیزوں میں انسان کا علم الیقین اور عین الیقین حق الیقین کا درجہ اختیار کرتا ہے، مگر دین کے معاملہ میں آخرت کی زندگی کے تعلق سے قرآن و حدیث کا علم حق الیقین میں تبدیل کیوں نہیں ہوتا؟

جواب:۔ اس کا آسان جواب صرف یہ ہے کہ انسان سائنسدانوں پر، ڈاکٹروں پر، ٹی وی پر، ریڈیو پر، اخبارات پر، حکومت کے اعلانات پر بھروسہ، یقین اور اعتماد کرتا ہے، مگر پیغمبر پر بھروسہ، یقین اور اعتماد برائے نام کرتا ہے، اس کو قرآن وحدیث کی باتوں اور خبروں پر ویسا یقین کامل نہیں ہوتا جیسا دنیا کے اداروں اور ماہرین کی باتوں پر کامل یقین ہوتا ہے، جس طرح وہ دنیا کے ماہرین پر کامل بھروسہ، یقین اور اعتماد کرتا ہے اگر ویسا ہی کامل بھروسہ، کامل یقین اور اعتماد پیغمبر کی لائی ہوئی تمام تعلیمات پر کرلے تو اس میں کامل یقین پیدا ہوگا اور وہ حق الیقین کا درجہ اختیار کرسکتا ہے۔

جب کسی چیز کو دل کے پورے یقین کے ساتھ مان لیا جائے تو اسے ایمان کہتے ہیں، دین کی اصطلاح میں اللہ اور رسول ﷺ کی تمام باتوں پر کامل یقین کرنے کو ایمان کہتے ہیں اور یہ یقین دل و دماغ کے ساتھ ہوتا ہے، خوف، محبت، خشیت اور توکل کے ساتھ ہوتا ہے، اس ایمان سے قول اور عمل کا مظاہرہ یکساں ہوتا ہے، انسان کا عمل اس کے ایمان کا ثبوت اور تصدیق کرتا ہے، مگر اسلامی قانونِ شریعت میں ہر وہ انسان مومن ہے جو زبان سے کلمہ پڑھے اور ایمان کا اقرار کرے، لیکن حقیقی ایمان ایک الگ چیز ہے، ہم یہاں اسی پر بات کررہے ہیں، قانونی اور فقہی، نسلی، بے شعوری والے ایمان پر نہیں۔

☆ اسی کامل یقین کی وجہ سے اس کو یہ اعتماد ہوجاتا ہے کہ میری عقل غلط سوچ سکتی ہے، غلط سمجھ سکتی ہے، میرے آنکھیں غلط دیکھ سکتی ہیں، میرے کان غلط سن سکتے ہیں، مگر پیغمبر کی

لائی ہوئی تعلیمات غلط نہیں ہوسکتیں، میں غلط ہوسکتا ہوں مگر رسول اللہ ﷺ جو دین لائے اس کی ایک ایک بات سچی ہے، وہ غلط نہیں ہوسکتیں، میری نجات، میری کامیابی اور میرا سکون اسی دین اسلام سے وابستہ ہے، اس کے بغیر میری زندگی بیکار ہے۔

سوال:۔ دنیا کی نظر نہ آنے والی چیزوں پر حق الیقین کیسے پیدا کیا جاتا ہے؟

جواب:۔ انسان کی یہ عادت ہے کہ وہ بہت ساری چیزوں کے نظر نہ آنے کے باوجود ان کے آثار و علامات اور نشانیوں کو دیکھ کر کامل یقین پیدا کر لیتا ہے، مثلاً جنگل میں آپ شیر کے موجود ہونے کو نہیں دیکھتے، اگر پانچ دس میل پر ہواؤں کے ذریعہ شیر کے گرجنے کی آواز سنائی دے تو آپ فوراً یہ یقین کامل کر لیتے ہیں کہ اس راستہ میں شیر ہے، خطرہ کی علامت ہے، یا کوئی مسافر بھاگتا ہوا، موٹر تیز دوڑاتا ہوا جاتے جاتے یہ اطلاع دے کہ راستہ پر شیر بیٹھا ہوا ہے یا یہاں شیر کھلے عام پھر رہے ہیں تو ان اطلاعات پر آپ کو یقین کامل ہو جاتا ہے اور اسی کامل یقین کی وجہ سے آپ آگے سفر جاری رکھنے پر تیار نہیں ہوتے، آپ کا علم الیقین' حق الیقین میں بدل جاتا ہے۔

☆ پچھلے زمانوں میں لوگ جنگل کا سفر یا تجارتی سفر گھوڑے پر کرتے تھے، گھوڑا میلوں دور ہواؤں کے ذریعہ شیر کے موجود ہونے کی بُو سونگھ کر آگے نہیں بڑھتا، اس طرح لوگ اپنے آپ کو محفوظ کرتے تھے، یہ علم الیقین صرف علامت سے حق الیقین بنتا ہے۔

☆ اسی طرح کسی جگہ ریل کی پٹریاں ہوں اور دور سے ریل کی سیٹی سنائی دے تو ہم بہت تیزی کے ساتھ ریل کے آنے کا تصور قائم کر کے خود کو اور اپنے بچوں کو لیکر پٹریوں سے بہت فاصلے پر چلے جاتے ہیں، یہ علم الیقین علامتوں اور نشانیوں سے حق الیقین بنتا ہے۔

☆ ہوائیں یکا یک تیز رفتار اور طوفانی بن جائیں تو ہم اندازہ لگا لیتے ہیں کہ طوفان آرہا ہے، ہواؤں میں ٹھنڈک محسوس کر کے یا بارش کے برسنے کی بو سے اندازہ لگا لیتے ہیں کہ کہیں دور بارش ہو رہی ہے، پھلوں اور پھولوں کی خوشبو سے اندازہ لگا لیتے ہیں کہ کونسا پھل یا پھول قریب میں رکھا ہے، بالکل اسی طرح اللہ تعالیٰ دنیا میں انسانوں کو نظر نہیں آتا، مگر مختلف کام

اپنی مختلف صفات کے ذریعہ کرتا ہے، انسان اگر ان علامتوں اور نشانیوں پر غور کرے گا تو اس میں یقینِ کامل پیدا ہوگا اور وہ یقین حق الیقین میں بدل جائے گا۔

دنیا کی زندگی میں ہر روز ہم دیکھتے ہیں کہ پیدائش کا نظام چل رہا ہے، موت کا نظام چل رہا ہے، پرورش اور نگہداشت کا نظام چل رہا ہے، علم، ہدایت ورہنمائی کا نظام ہے، رحم اور محبت کے جذبات ہیں، ہر چیز میں حکمت ودانائی موجود ہے، تو یہ سب علامتوں اور کاموں سے ہم حق الیقین پیدا کرسکتے ہیں۔

قرآن مجید نے ایمان میں یقینِ کامل پیدا کرنے کے لئے کائنات کی چیزوں میں اللہ تعالیٰ کی صفات پر غور وفکر کی تعلیم دی ہے، کائنات میں غور وفکر سے ہی اللہ تعالیٰ پر اور اللہ کی قدرت پر یقین مضبوط ہوتا چلا جائے گا، اللہ کی قدرت کو سمجھنا بہت آسان ہوجائے گا، جو انسان میں حق الیقین کا درجہ پیدا کرتا ہے۔

موجودہ زمانہ میں اللہ نے انسانوں کو ہر روز سائنسی علوم میں ترقی دے کر اپنی قدرت کو سمجھنا بہت آسان بنادیا ہے، ہم جتنا زیادہ کائنات کی چیزوں میں غور وفکر کرتے جائیں گے، اللہ تعالیٰ کی پہچان اور اس کی صفات کو سمجھنا آسان ہوتا جائے گا اس لئے کائنات کی چیزوں کو صرف حواس کی حد تک نہ دیکھو، ورنہ ہم میں اور جانوروں میں کوئی فرق باقی نہیں رہے گا، اللہ نے ہم کو عقل وفہم دیا ہے؛ اس لئے کہ اس سے سب سے اونچا کام یعنی غور وفکر کا کام لیں اور توحیدِ باری تعالیٰ کے ذریعہ اللہ کو پہچانیں، اگر انسان رات دن غور وفکر کرنے کا عادی بنے گا تو وہ جانوروں سے اونچا اور ممتاز بن سکے گا، اسلام اللہ تعالیٰ کی خوبیوں، کمالات اور قدرت کو صفات کے ذریعہ ہی الگ الگ کرکے سمجھاتا ہے، تاکہ انسان کسی دوسرے کو اپنا مالک نہ مانے، صراطِ مستقیم پر چلتا رہے، انسان جن جن چیزوں کو پہچانتا ہے، جب ان کا ذکر کیا جائے یا نام لیا جائے تو ان چیزوں کی شکل وصورت اور صفات اس کے ذہن ودماغ میں صحیح صحیح آجاتی ہیں، جن کو وہ دیکھا نہیں اور جن کے صرف نام سے واقف ہوتا ہے، اگر اس کا صحیح تعارف اور پہچان نہ ہو تو اس کی غلط تصویر، غلط شکل وصورت قائم کرلیتا ہے، چنانچہ

موجودہ زمانہ میں اکثر مسلمانوں کے شرک میں گرفتار ہونے کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ وہ اللہ کی صحیح معرفت اور پہچان سے دور ہیں، اسی لئے کائنات کی چیزوں میں غور وفکر کر کے اللہ کی صحیح پہچان حاصل کرنے کی کوشش کریں۔

وحی کی تعلیمات پر حق الیقین پیدا کرنے کا طریقہ کیا ہے؟

دنیا کے علوم خاص طور پر سائنس کے مضامین میں صرف تھیوری ہی نہیں پڑھائی جاتی بلکہ ان میں حق الیقین پیدا کرنے کے لئے پریکٹیکل وعملی مظاہرے لبارٹریز میں کرائے جاتے ہیں، صرف تھیوری پڑھا کر حق الیقین پیدا نہیں کیا جاسکتا، جو لوگ میڈیسن Medicine کی تعلیم حاصل کرتے ہیں ان کو ایک دیڑھ سال کے بعد مردہ لاشوں کو چیر پھاڑ کر جسم کے تمام اعضاء کا میکانزم وکارکردگی سمجھائی جاتی ہے، اور ہر عضو کے تعلق سے اس کے کام کی نوعیت سمجھائی جاتی ہے، اور بننے والے ڈاکٹر حق الیقین کے ساتھ جسمانی ڈاکٹر بن کر انسانی جسم کی پوری معلومات رکھتے ہیں۔

علم حساب بھی فارمولے بنا کر مثالوں سے سمجھایا جاتا ہے، اس کے علاوہ دوسرے علوم میں تصاویر بتلا کر لکچر کے ذریعہ علم دیا جاتا ہے، ان میں بہت ساری باتیں صرف لکچر میں سنی جاتی ہیں۔

انسان علم الیقین کے تحت مان تو لیتا ہے مگر حق الیقین کی کیفیت پیدا نہیں کرسکتا سطحی طور پر معلومات علم الیقین کے تحت رکھتا ہے اور پھر بھول جاتا ہے، اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعہ اس کی ذات کو دیکھے بغیر ایمان لانے کی شرط رکھی، مگر وہ انسانوں میں حق الیقین پیدا کرنے کے لئے کائنات کی تمام مخلوقات میں اپنی قدرتی کاموں کو صفات کے ذریعہ غور وفکر کر کے سمجھنے کی تعلیم دی اور اپنا تعارف اور پہچان کروانے کے لئے اپنے صفاتی ناموں کو بھی ظاہر کیا کہ کون کونسے صفات سے وہ کون کونسے کام کر رہا ہے۔

انسانوں میں عقلمند کون ہیں؟

آیت: إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَاخْتِلَافِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ لَآيَاتٍ

لِّأُولِي الأَلْبَابِ o الَّذِيْنَ يَذْكُرُونَ اللّٰهَ قِيَاماً وَقُعُوداً وَعَلَىٰ جُنُوبِهِمْ وَيَتَفَكَّرُونَ فِيْ خَلْقِ السَّمَاوَاتِ وَ الأَرْضِ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هَذا بَاطِلاً سُبْحَانَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ o (آل عمران:۱۹۰)

ترجمہ: بلاشبہ آسمانوں اور زمین کی پیدائش میں اور رات و دن کے باری باری آنے جانے میں عقلمندوں کے لئے بہت سی نشانیاں ہیں جو اٹھتے بیٹھتے اور لیٹتے ہر حال میں اللہ کو یاد کرتے ہیں اور آسمانوں اور زمین کی پیدائش میں غور وفکر کرتے ہیں، اور پکار اٹھتے ہیں ''اے ہمارے رب! تونے یہ سب کچھ بے مقصد پیدا نہیں کیا، تو پاک ہے' بس ہمیں جہنم کے عذاب سے بچالے۔''

چنانچہ قرآن مجید میں تقریباً ساڑھے سات سو آیات میں اللہ تعالیٰ نے حق الیقین پیدا کرنے کے لئے اپنی قدرت کے مختلف کاموں کو سمجھایا اور ان کاموں میں غور کر کے اللہ کو پہچاننے اور ایمان لانے کی دعوت دی ہے، قرآن کوئی سائنسی کتاب نہیں ہے، مگر آج سے چودہ سو سال پہلے جو نشانیاں اور باتیں قرآن مجید نے بیان کی ہیں آج سائنس ان کی تحقیق کر کے تصدیق کر رہی ہے۔

قرآن کہتا ہے کہ تمام جاندار مخلوقات کو پانی سے پیدا کیا گیا ہے، سائنس کی ریسرچ ہے کہ پوری زمین میں 74% پانی ہے، اور خشکی کا حصہ 26% ہے، اسی طرح انسانی جسم میں بھی پانی کی مقدار اتنی ہی ہے، اللہ تعالیٰ نے اپنی تخلیق سے زمین کو سورج سے ٹھیک اتنے ہی فاصلے پر رکھا ہے جس سے زمین پر جانداروں کی زندگی برقرار رہ سکتی ہے، نہ بہت قریب رکھا کہ جس کی وجہ سے انتہائی گرم ہو جائے اور نہ بہت دور رکھا کہ دوری کی وجہ سے بے انتہاء سرد ہو جائے، جس جگہ سرد رکھنے کی ضرورت تھی سرد رکھا تاکہ پہاڑوں پر برف جمی رہے اور میٹھا پانی جانداروں کو ملتا رہے، جس جگہ گرم رکھنا تھا گرمی رکھی، اللہ کی حکمت اللہ ہی جانے۔

قرآن کہتا ہے کہ چاند کو دنیا کی جنتری بنایا جس سے مہینے اور سال معلوم ہوتے

ہیں، سورج اور چاند کی گردش سے دن اور رات بنائے، دن کو روشن کیا' رات کو اندھیری رکھا اور آرام ونیند کے قابل بنایا۔

زمین کو تازہ دم ہونے ہر گرما میں بار بار مردہ کر کے پھر بارش کے پانی سے زندہ کرتا رہتا ہے، اور اُسے سرسبز وشاداب باغوں میں تبدیل کر دیتا ہے، پھر آسمان کو مسطح بنایا اور ستاروں سے سجانیا، اُسے کبھی داغ دوزی کی ضرورت نہیں رکھی، زمین کو آسمان کی طرح سپاٹ نہیں بنایا، وادیاں اور میدان' دریا اور ندی ونالے بنائے، پھر اس کو ہلنے سے بچانے کے لئے اس پر پہاڑ قائم کئے، پہاڑوں سے ابر کو روک کر بارش برسنے اور برف جمع رہنے کا انتظام کیا، اور پھر ندی' نالوں اور دریا کے ذریعہ خشکی میں میٹھا پانی پہچانے کا نظام رکھا۔

درختوں میں تنے والے اور بغیر تنے والے بیل دار درخت و پودے بنائے، ہر چیز کو جوڑا جوڑا بنایا، سمندروں کو انسان کے فائدے کے لئے مسخر کر دیا، ہوا میں مختلف قسم کی گیا سیس Gases رکھی اور جانداروں کے سانس لینے کا انتظام فرمایا۔

جانوروں کے خون اور بول و براز کے درمیان سے پاکیزہ دودھ نکالتا ہے اور ان سے مختلف فائدے اٹھانے کے قابل رکھا، جانوروں کو مختلف کاموں کے لئے پیدا کیا، ان سے دودھ' انڈے اور گوشت اور ان کے اعضاء سے فائدہ اٹھانے کا نظام رکھا۔

ریگستانوں میں جنگلات نہیں ہوتے' وہاں ایلو یرا Alovera ...... درختوں میں کافی پانی رکھتا ہے جو وہاں آکسیجن خارج کرتے ہیں، درختوں سے آگ نکالتا ہے۔

شہد کی مکھیوں کو شہد بنانے کے قابل بنایا، اسی طرح جاندار سے بے جان کو اور بے جان سے جاندار کو نکالتا ہے، ایک درخت کے بیج سے ہزاروں درخت اور ایک انڈے سے اس کی جنس کے ہزاروں جانور بننے کے قابل بنایا، اور ایک نطفہ سے جانداروں کی نسل چلنے کے قابل بنایا۔

اپنی خاص حکمت سے زمین کے موسموں کے لحاظ سے جانور اور نباتات پیدا کرتا ہے، اونٹ کو ریگستان کا جہاز بنایا، دنیا میں بعض مخلوقات کو ظاہر کیا اور بعض کو ظاہر نہیں کیا،

وہ جانداروں کے ساتھ رہتے ہوئے کبھی نظر نہیں آتے، اللہ کی حکمت اللہ ہی جانے۔

اسی طرح قرآن مجید میں حق الیقین پیدا کرنے کے لئے پچھلی قوموں کے حالات اوران پر عذابات کے تذکرے کئے اور خاص طور پر بنی اسرائیل کے واقعات اوران کے اخلاقی حالات جس میں وہ آج بھی مبتلا ہیں ظاہر کیا، مشرک قوموں کا ایمان والوں کے ساتھ دشمنی کے رویہ کو بیان کیا، جس سے وہ آج بھی ایمان والوں کے ساتھ مبتلا ہیں اور شیطان ان کو کس کس طرح بغاوت و نافرمانی اور شرک میں مبتلا کیا اور کر رہا ہے' سمجھایا، پچھلی قوموں نے اللہ کے کتابوں کے ساتھ کس طرح ناشکری کی اور آج وہ کس طرح کتاب کے احکام کے خلاف چل رہے ہیں' ظاہر کیا، شرک کی حقیقت کھلے طور پر سمجھایا، پھر یہ بھی سمجھایا کہ ایمان قبول کرنے کے بعد انسان کس طرح شیطان کے بہکاوے میں کتاب اور پیغمبر کی نافرمانی کر کے فسق و فجور میں مبتلا ہوتا ہے، انسان خود اپنی زندگی کا جائزہ بھی لے سکتا ہے، یہ تمام باتیں انسان اگر آنکھیں کھول کر پڑھے تو انسان میں حق الیقین پیدا ہو کر حقیقی ایمان والے بن سکتے ہیں۔

دنیا میں اللہ تعالیٰ نے جنت و دوزخ کے نمونے بھی رکھے ہیں، اور دوبارہ زندہ ہونے کی مثالیں بھی بیان کی ہیں، سزاؤں اور انعامات کے تذکرے کئے ہیں، سانپ بچھو جیسے زہریلے جانور اور قسم قسم کی غذائیں اور میوے بھی حق الیقین کے پیدا کرنے کے لئے رکھے ہیں، عبادات کا نور اور سکون بھی عطا کرتا ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: مجھے جنت و دوزخ کا یقین اتنا ہے کہ وہ اگر میری نظروں کے سامنے لائی جائیں تو اس کے یقین میں رتّی برابر اضافہ نہیں ہوگا۔

اس طرح قرآن مجید پڑھتے ہوئے کائنات کی مخلوقات میں عقل وفہم کے استعمال کے ساتھ غور وفکر کرنے سے انسان وحی الٰہی کی تعلیمات میں حق الیقین پیدا کر سکتا ہے۔

آفاق وانفس میں غور وفکر کر کے اللہ کی صفات میں تفکر وتدبر بھی ذکرِ الٰہی ہے

بلکہ یہ کہنا بھی مبالغہ نہیں کہ اللہ کی پہچان حاصل کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ کی

صفات میں غور وفکر کرنا افضل الذکر کی حیثیت رکھتا ہے، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں کو قرآن مجید میں بار بار **تعقلون، تتفکرون اور تتدبرون** کہہ کر عقل کا استعمال کرتے ہوئے غور وفکر کرنے کی تعلیم دی ہے، اور اندھے' بہرے بن کر اسلام پر چلنے سے منع کیا ہے، اس لئے کہ اس تفکر وتدبر کی وجہ سے انسان کو اللہ کی پہچان اور معرفت حاصل ہوتی ہے۔

اگر انسان اللہ کی پہچان حاصل کئے بغیر اس کے ناموں کا ورد برکت اور ثواب کے لئے کرتا رہے تو یہ صرف زبان کی ورزش ہو کر رہ جائے گی اور ثواب اتنا ہی ملے گا جیسی نیت اور فہم ہو، اس سے معرفت الٰہی بھی نہیں ملتی اور اس بے شعوری کے ساتھ ذکر کرنے سے اس انسان کی زندگی پر بھی کوئی خاص اثر نہیں پڑے گا۔

عقلمند لوگوں کی خاص صفت

اولوا الالباب یعنی عقلمند صرف وہ لوگ ہیں جو کائنات کے نظامِ قدرت میں غور کر کے اللہ کی پہچان حاصل کر کے اللہ کی صفات کو سمجھ کر ان کا ورد کرتے ہیں، صرف ناموں کے معنٰی جان لینے سے بھی پوری معرفت نہیں حاصل ہوتی، اس لئے صفاتی ناموں کی حقیقت جان کر مالک کو پہچان کر سمجھنے سے زندگی میں بھی تغیر اور بدلاؤ پیدا ہوتا ہے، اور اللہ کے جمالی صفات رحم، مدد، معافی، درگذر اور محبت وغیرہ کی انسان نقل بھی کر سکتا ہے، صفاتی ناموں کی تفصیل سمجھنے سے انسان کے ذہن ودماغ پر اللہ ہی کا ہر شعبہ میں قدرت کا احساس زندہ رہتا ہے، اس ذکر سے توحید پر یقین بڑھتا ہے، انسان شرکیہ عقائد واعمال سے محفوظ رہتا ہے، اس ذکر سے اللہ کے دوبارہ زندہ کرنے' حساب وکتاب لینے اور جزاء و سزا کا تصور ذہن پر سوار رہتا ہے، اللہ کی محبت اور عظمت وبڑائی کا غلبہ رہتا ہے۔

بغیر غور وفکر کے ایمان رکھنے والوں کی حالت

جن لوگوں کو یہ چیز حاصل نہیں ہوتی وہ قرآن مجید بس رسم ادا کرنے کے لئے پڑھتے ہیں، نماز' روزہ اور حج کی قانونی پابندی کر لیتے ہیں، مگر شعوری اور حقیقی ایمان

سے خالی رہتے ہیں، ان کا ایمان خاندانی، نسلی، تقلیدی، فقہی اور قانونی بنا رہتا ہے اور زندگی کے مختلف شعبوں میں اللہ کی صفات کی حقیقت نہ جان کر شرکیہ عقائد و اعمال میں بھی گرفتار رہتے ہیں۔

ایسے مسلمان چاہے کتنے ہی دین و دنیا کے اعتبار سے پڑھے لکھے ہوں، زمین و آسمان کی ریسرچ کر ڈالیں اور کتنی ہی عبادات کر لیں اور کتنے ہی مسائل کے ماہر ہوں اولوا الالباب نہیں کہلا سکتے، ان کے سروں پر کھوپڑی تو ضرور ہوتی ہے لیکن ان کے اندر معرفت الٰہی پر سوچنے اور سمجھنے کا مغز نہیں ہوتا، اگر واقعی تفکر و تدبر کا مغز ہو تو وہ اللہ کو پہچان لیتے اور بغیر اللہ کو پہچانے ان کا ضمیر ان کو دین پر چلنے نہیں دیتا، اور اللہ کی پہچان کروانے کے لئے تڑپتے رہتے، جو انسان اللہ کی پہچان سے دور ہوتے ہیں اُن کے غم میں مبتلا رہتے ہیں اور بے حس نہیں بنے رہتے، ایسے ہی انسانوں کے تعلق سے قرآن کہتا ہے **إِنَّمَا يَخْشَى اللَّهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ** . (الفاطر:۸) بندوں میں سے اللہ کی معرفت کا علم رکھنے والے ہی اللہ سے ڈرتے ہیں۔

اگر انسان میں غور و فکر کی صلاحیت پیدا ہو جائے تو وہ اللہ کو اس طرح دیکھتا ہے جس طرح آنکھیں سورج کو دیکھتی اور پہچانتی ہیں، اور اٹھتے بیٹھتے اور لیٹتے بس اسی کا نام لیتا ہے اور اسی کی یاد کے ساتھ دنیا کے کاموں میں مشغول رہتا ہے، اسی کی معرفت کا ترانہ بیان کرتا ہے۔

اللہ کی پہچان کے بغیر انسان مردہ لاش کی طرح ہے

جس طرح انسان کی مادّی زندگی کے لئے سانس سخت ضروری ہے، اسی طرح روحانی زندگی کی بقاء کے لئے اللہ تعالیٰ کی معرفت اور یاد ضروری ہے، سانس رُک جائے تو جسم مردہ ہو جاتا ہے، اسی طرح اللہ کی معرفت و پہچان نہ ہو تو انسان اللہ سے غافل بن کر روح بیمار ہو کر مردگی کی حالت میں چلتی پھرتی لاش کی طرح ہو جاتی ہے، دل کا سکون اللہ پر ایمان اور اس کے ذکر سے ہی ہے، اسی سے دل زندہ رہتا ہے، اور دل کا زندہ رہنا ہی

اصل زندگی ہے، ورنہ انسان ایمان سے محروم رہ کر چلتی پھرتی لاش کی مانند ہو جاتا ہے۔

غور وفکر سے ایمان بڑھتا اور تازہ رہتا ہے

اولوا الالباب یعنی عقلمند لوگوں کی خاص صفت یہ ہوتی ہے کہ وہ اللہ کی یاد سے بھی غافل نہیں رہتے، دین میں جس طرح اللہ کا ذکر مطلوب ہے اسی طرح کائنات میں غور و فکر بھی مطلوب ہے، عقلمند لوگ جو اولوا الالباب کے نام سے یاد کئے گئے ہیں' ذکر وفکر کی وجہ سے ان پر قدم قدم پر اللہ تعالیٰ کی حکمت اور معرفت کے راز کھلتے چلے جاتے ہیں، جو لوگ بے شعوری کے ساتھ اللہ کا ذکر کرتے ہیں اس سے ان کی زندگی میں بھی کوئی تبدیلی پیدا نہیں ہوتی، اور ان کا ایمان نسلی' خاندانی اور بے شعوری والا ہی رہتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کے تمام نام اس کی صفات وقدرت کو سمجھانے والے ہیں، ان صفات ہی پر تمام ایمان' دین وشریعت اور سارے عقیدوں کی بنیاد ہے، ان صفات کے ذریعہ جب اللہ کی معرفت مل جاتی ہے تو انسان اپنے ساتھ ایک زبردست حفاظت کرنے والی قوت محسوس کرتا ہے اور اپنے آپ کو پہاڑوں سے بھی زیادہ مضبوط محسوس کرتا ہے۔

اگر انسان کے پاس اللہ کی پہچان نہ ہو تو وہ روحانی طور پر کمزور اور بیمار بنا رہتا ہے، اس کے عقیدہ میں کوئی جان نہیں رہتی، وہ بے بنیاد و بے شعور عقیدہ کے ساتھ زندگی گذارتا ہے' جس کی وجہ سے وہ مختلف حالات میں توحید کے ساتھ شرکیہ' منافقانہ یا مغربی طرز اختیار کر کے غلط عقائد واعمال اختیار کر لیتا ہے، وہ معرفت الٰہی حاصل کرتا ہے تو اس کے ذریعہ جان جاتا ہے کہ اللہ کے مثل اور مثال کوئی نہیں، اور اللہ کی پناہ کوئی کمزور کی پناہ نہیں بلکہ تمام کائنات کے مالک کی پناہ ہے، جو مخلوق کی کفالت کرنے والا وکیل اور کفیل ہے، وہ شرک سے ایسے ہی نفرت کرتا ہے جیسے آگ سے بچنے اور بول وبراز سے اور زہر کھانے سے بچتا اور دور رہتا ہے۔

انسانی زندگی کی ساری گمراہی اللہ کی پہچان نہ ہونے سے ہوتی ہے

قرآن مجید میں سورۂ فاتحہ سے والناس تک جو کچھ بیان ہوا ہے وہ تمام تر صفات الٰہی

کے مظاہر و انوارات اور ان کے تقاضوں کا ہی بیان ہے، انسان کی ساری گمراہی اور بداعمالیاں صفاتِ الٰہی سے ناواقف ہونے سے پیدا ہوتی ہے، دوسرے مذاہب کے پاس اللہ کی پہچان کروانے کے لئے صفاتِ الٰہی کی تعلیم ہی نہیں ہے، تمام دین وشریعتِ اسلام کی بنیاد صفاتِ الٰہی ہی پر ہے، مگر افسوس ہماری بنیادی تعلیم میں غور وفکر اور شعوری طور پر صفاتِ الٰہی کو سمجھانے کا طریقہ اور نظم ہی نہیں ہے، صفاتِ الٰہی یا تو برکت کے لئے طغروں میں لگائے جاتے ہیں یا ثواب حاصل کرنے کے لئے انگلیوں پر ورد کئے جاتے ہیں۔

کبھی کسی نام کی تفصیل جاننے کی کسی کو فکر ہی نہیں، نہ کوئی صفت سمجھائی جاتی ہے اور صفاتِ الٰہی کو سمجھائے بغیر ذکر جہری وسرّی کیا جاتا ہے، جب اللہ کی پہچان ہی نہ ملے تو ایمان میں شعور کیسے پیدا ہوگا، باپ دادا کی اندھی تقلید میں اسلام پر اللہ کو بغیر پہچانے چلتے رہیں گے، یہی وجہ ہے کہ مسلمانوں کی کثیر تعداد اللہ کی صحیح پہچان ہی نہیں رکھتی اور اس کے بغیر بس بے شعور انداز میں اسلام پر چلتی جارہی ہے۔

جس علم میں اللہ کا تعارف نہ ہو وہ علم انسان کو فائدہ نہیں دیتا

جس علم میں اللہ تعالیٰ کا تعارف اور معرفت نہ ہو اس سے انسان صرف دنیا بنا سکتا ہے، وہ علم جہالت ہے جب انسان کو اللہ تعالیٰ کی صحیح معرفت والا علم مل جائے گا تو وہ شرک اور کفر کے اندھیروں سے نکل کر روشنی میں آجائے گا، اور اللہ تعالیٰ سے اپنا رشتہ وتعلق جوڑے گا، اور اُسے ہی اپنا خالق، رب اور مالک مان لے گا۔

انسان کو **اقرأ باسم ربک الذی خلق** کے ذریعہ قیامت تک آنے والے انسانوں کو گویا یہ تعلیم دی گئی کہ تم دنیا میں کوئی بھی تعلیم حاصل کرو، مگر اس کے ذریعہ اپنے مالک اور پروردگار کا تعارف حاصل کرو، تمہاری زندگی کے سدھار کا پورا دار و مدار اپنے رب کی پہچان پر ہے، جتنا زیادہ تم اپنے مالک کی پہچان رکھو گے اتنا ہی تم سنجیدہ اور بااخلاق بنو گے اور اخلاق رذیلہ سے دور رہیں گے، جتنا زیادہ تم اللہ کو پہچانو گے اتنی ہی تم اللہ تعالیٰ کی جمالی صفات کی نقل کرسکو گے، ورنہ شیطانی صفات کے حوالے ہو جاؤ گے، اس

لئے سب سے پہلے معرفت الٰہی کا علم حاصل کرو، اور علم حاصل کرنے میں اللہ تعالیٰ نے جس طرح تمہیں دنیا میں لانے کے لئے ماں باپ کو ذریعہ بنایا اسی طرح علم حاصل کرنے کے لئے قلم کو ذریعہ بنایا، مگر وہ نہ ماں باپ کا محتاج ہے اور نہ قلم کا، اللہ تعالیٰ بغیر قلم کے آنکھوں، کانوں اور زبان سے بھی علم عطا کرتا ہے، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں زیادہ لوگ پڑھے لکھے نہیں تھے، اللہ نے ان کی جہالتوں کو وحی الٰہی نازل کر کے کائنات میں حواسِ خمسہ کے ذریعہ غور وفکر کروا کر ختم کیا، پھر وہ چند ہی دنوں میں علم حاصل کر کے دنیا کے سب سے زیادہ اہل علم بن گئے، اور دنیا کے مثالی انسان بن گئے، اور دنیا کے سب سے بڑے علم والے بن گئے، اور جو لوگ ہر زمانے میں اپنے حواس خمسہ کا استعمال صحیح نہیں کیئے وہ دنیوی علوم کے ماہر ہوتے ہوئے، حقیقی وشعوری علم وفہم سے دور جاہل رہے، جو لوگ پیغمبر پر نازل کردہ وحی سے علم حاصل نہیں کرتے وہ دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی خسارے میں رہتے ہیں۔

علم دو طریقے سے حاصل کیا جاتا ہے، ایک عام لوگ زیادہ گہرائی میں گئے بغیر سطحی طور پر علم حاصل کر لیتے ہیں اور ضروری چیزوں کی پابندی کر لیتے ہیں، دوسرے کتابوں اور استادوں سے علم حاصل کر کے قابل بنتے ہیں، مگر ان میں بھی بہت سے لوگ ایسے ہوتے ہیں جو کتاب سے علم حاصل کر کے یقین کی کیفیت سے محروم رہتے ہیں، اس لئے اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کی تلاوت کے ساتھ ساتھ اس آیت **إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَاخْتِلَافِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ لَآيَاتٍ لِّأُولِي الْأَلْبَابِ** کے ذریعہ کائنات کی چیزوں میں اللہ کی قدرت کی نشانیوں پر غور وفکر کرنے کی تعلیم دی ہے اور انسانوں کو کتاب کے ساتھ ساتھ کائنات میں عقل کا استعمال کر کے غور وفکر کی تاکید کی ہے، اور انہی غور وفکر کرنے والے لوگوں کو ہی اولوا الالباب یعنی عقلمند کہا ہے۔

معرفت الٰہی ملنے کے بعد عقلمندوں کی کیا کیفیت ہوتی ہے؟

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: **الَّذِينَ يَذْكُرُونَ اللَّهَ قِيَاماً وَقُعُوداً وَعَلَىَ جُنُوبِهِمْ**

وَيَتَفَكَّرُونَ فِيْ خَلْقِ السَّمَاوَاتِ وَ الْأَرْضِ. عقلمند وہ ہیں جو اُٹھتے بیٹھتے، سوتے جاگتے، ہر وقت اللہ کی تخلیق وکمالات میں غور وفکر کر کے اللہ کو یاد کرتے رہتے ہیں، گویا وہ وحی کی تلاوت کے ساتھ ساتھ کائنات میں بھی غور وفکر کرتے ہیں، صرف بغیر سمجھے خالی ذکر کرنے والوں کو بھی عقلمند نہیں کہا گیا اور نہ ذکر چھوڑ کر خالی غور وفکر کرنے والوں کو عقلمند کہا گیا، دونوں چیزوں سے انسان عقلمند بنتا ہے، ایسے انسان پر معرفت الٰہی کی نشانیاں کھلتی ہیں اور ان کا ایمان بڑھتا رہتا ہے۔

اللہ تعالیٰ زبردستی اپنے کو ماننے پر مجبور نہیں کر رہا ہے

اللہ تعالیٰ زبردستی اپنے کو ماننے کی تعلیم نہیں دے رہا ہے، کہ بغیر اس کو جاننے اور پہچاننے کے بس مان لو وہ اپنے وجود کے دلائل کو سمجھا کر اپنی معرفت کے ساتھ دل میں یقین پیدا کر کے ماننے کی تعلیم دے رہا ہے، اس کے بنائے ہوئے قانون کو فطرت کے مطابق سمجھ کر قبول کرنے کی تعلیم دے رہا ہے، اندھوں اور بہروں کی طرح قبول کرنے سے منع کر رہا ہے، عقل کو آزاد چھوڑ کر غور وفکر کرنے کی تعلیم دے رہا ہے، کیونکہ اُس کے علاوہ کسی میں ایسی قدرت نہیں ہے، اس لئے تفکر وتدبر اور ذکر سے ایمان میں جان پیدا ہوتی ہے، اسی سے شعوری اور حقیقی ایمان انسان کو ملتا ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے علم کا حاصل کرنا فرض کیا ہے، اور سب سے بڑا علم اللہ کی معرفت ہے۔

اس لئے اللہ کی پہچان اور معرفت والا علم حاصل کرنا ہر انسان پر لازم اور ضروری ہے، اور اللہ کو پہچان کر ایمان لانا ہی سب سے بڑی دولت اور عبادت ہے۔

معرفتِ الٰہی ہی سب سے بڑی عبادت ہے

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک شخص آیا اور عرض کیا: اے اللہ کے رسولؐ! کونسا عمل افضل ہے؟ آپؐ نے فرمایا: اللہ عزّ وجل کی معرفت، اس نے دوبارہ پوچھا: اے اللہ کے رسولؐ! کونسا عمل افضل ہے؟ آپؐ نے فرمایا: اللہ عزّ وجل کی معرفت، اس نے کہا: اے اللہ کے رسولؐ! میں آپ سے

عمل کے بارے میں پوچھتا ہوں اور آپ علم کی بابت جواب دیتے ہیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: علم (معرفت) کے ساتھ تھوڑا عمل زیادہ نفع دیتا ہے اور جہل کے ساتھ زیادہ عمل بھی نفع نہیں دیتا۔ (جامع بیان العلم وفضلہ: ۱/۴۵۰)

مسند احمد اور بیہقی کی روایت میں ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قیامت کے دن ہر آدمی کے نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج حتی کہ آپ نے تمام اعمالِ خیر کا ذکر کیا پھر فرمایا: مگر ہر ایک کو اس کی عقل وفہم کے مطابق ہی بدلہ دیا جائے گا۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے ایک مرتبہ دریافت کیا: یارسول اللہ! اگر دو انسان یکساں عمل کریں، اتنی نمازیں وہ بھی پڑھتا ہے جتنا دوسرا پڑھتا ہے، اتنا ہی ذکر وہ کرتا ہے جتنا دوسرا کرتا ہے، لیکن قیامت کے دن ایک کے درجات زیادہ بلند ہوں گے اور ایک نیچے رہ جائے گا، حالانکہ عمل کی تعداد دونوں کی برابر ہے، فرق کی وجہ کیا ہے؟ آپؐ نے فرمایا: فرق کی وجہ عقل وفہم ہے، جو عقل وبصیرت سے عمل کرتا ہے اس کے مدراج بلند ہوتے ہیں، جو بے بصیرتی سے عمل کرتا ہے وہ نجات پالے گا لیکن اس کے لئے درجات کا کوئی سوال نہیں پیدا ہوگا۔ (خطبات حکیم الاسلامؒ، جلد پنجم)

اسی کو ان **فی خلق السمٰوت و الارض** ...... والی آیت میں کہا گیا کہ عقل والوں کے لئے نشانیاں ہیں جو تدبر کے ساتھ کائنات کی چیزوں میں غور وفکر کرتے ہیں، جو اپنی سر کی آنکھوں سے دیکھنے کے عادی نہیں اور دل ودماغ سے سوچنے سمجھنے کے عادی نہیں، وہ عقلمند نہیں، جو پیشانی کی آنکھوں سے دیکھنے کے بعد دل ودماغ کی آنکھوں سے دیکھیں اور تدبر کریں وہی عقلمند ہیں، ان کے سامنے اللہ کی معرفت کی نشانیاں کھلتی ہیں اور وہ جو بھی اعمال کرتے ہیں اللہ کی معرفت اور شعور سے کرتے ہیں، بے شعوری سے دور رہتے ہیں، ایسے لوگوں کو حقیقی ایمان نصیب ہوتا ہے۔

انسان کے لئے ایمان کیوں ضروری ہے؟

انسان کے لئے دین وایمان اس لئے ضروری ہے کہ وہ زندگی گذارنے کا طریقہ

سیکھے، کوئی انسان پیدائشی طور پر زندگی گذارنے کے طریقے سے واقف نہیں رہتا، جاہل پیدا ہوتا ہے، اگر اس کو پیدا ہوتے ہی اردو بولنے والے ماں باپ کے بچے کو انگریزوں کے ساتھ رکھا جائے تو وہ باوجود اردو بولنے والوں کا بچہ ہونے کے انگریزی بولنا شروع کر دیتا ہے، اسی طرح انگریز کی اولاد کو اردو بولنے والوں کے ساتھ رکھا جائے تو وہ انگریزی کے بجائے اردو بولنا شروع کر دے گا، اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہر بچہ صحیح فطرت پر پیدا ہوتا ہے، اس کے ماں باپ اس کو یہودی یا نصرانی یا مجوسی بنا دیتے ہیں، بچے کو جس طرح کی تعلیم دی جائے وہ ویسا ہی بنتا ہے، اس کے برعکس ایک چڑیا کو بند کمرے میں اکیلے رکھا جائے تو وہ اپنی ہی زبان بولے گی۔

زندگی میں سب سے قیمتی سرمایہ انسان کے لئے ایمان ہے، جس طرح تاجر کے لئے تجارت میں دولت چاہئے، جس کے پاس جتنی دولت ہوگی وہ اتنا بڑا کاروبار کر سکتا ہے، بغیر دولت کے وہ کاروبار نہیں کر سکتا، اسی طرح اعمالِ صالحہ کے لئے ایمان کا ہونا ضروری ہے، جس کے پاس جتنا زیادہ ایمان ہوگا وہ اتنا ہی اللہ کی عبدیت و بندگی کر سکتا ہے، اور ایمان؛ صفاتِ الٰہی کو سمجھے بغیر نہیں آتا۔

ماں باپ بچے کو بچپن ہی سے شعوری و حقیقی ایمان دینے کی فکر کریں تا کہ وہ آخرت کی تجارت بڑے پیمانے پر کر سکے، اعمال کیا ہیں؟ ایمان کا عکس اور پروڈکشن ہیں، جیسا ایمان ہوگا آخرت کی تجارت ویسی ہی ہوگی، دنیا میں اس وقت یہود و نصاریٰ بھی ایمان رکھتے ہیں، مگر وہ صحابہ جیسا ایمان نہیں رکھتے، معرفت الٰہی سے خالی ہیں، ان کے ایمان کو قرآن نے قبول نہیں کیا ہے۔

پلصراط پر ایمان والوں کو نور اور روشنی کی ضرورت ہوگی، اس لئے کہ پلصراط پر گھٹا ٹوپ اندھیرا ہوگا، مسلمانوں کے پاس ایمان کی روشنی دیکھ کر منافق بھی ان کے ساتھ آنا چاہیں گے، مگر دور کر دئے جائیں گے، ان کے اور ایمان والوں کے درمیان بہت بڑا فاصلہ ہو جائے گا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہر ایمان والے کو اس کے ایمان

کے بقدر اللہ تعالیٰ نور عطا فرمائے گا، پھر یہ بھی فرمایا کہ اگر کوئی زبردست ایمان والا مدینہ میں رہتا ہو تو اس کے ایمان کی روشنی صنعاء (یمن کے دار الحکومت) تک ہوگی، اور کمزور ایمان والے کے روشنی اس کے پیروں تک ہی رہے گی، اس کی مثال مفسرین نے ٹارچ سے دی ہے کہ اندھیرے میں گڑھوں، پگڈنڈیوں اور پتھروں کے بیچ سے زخمی ہوتا ہوا گذرے گا، اس لئے دنیا میں ایمان کا نور حاصل کرنے کے لئے ایمان کو طاقتور اور مضبوط بنایئے، اور ایمان' اللہ کی معرفت اور پہچان سے طاقتور و مضبوط بنتا ہے، اور معرفت اللہ کی صفات کو سمجھنے سے حاصل ہوتی ہے۔

کائنات کی چیزوں میں غور وفکر سے اللہ کی پہچان حاصل ہوتی ہے اور یقین میں اضافہ ہوتا ہے!

اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّکَ الَّذِیْ خَلَقَ o خَلَقَ الْاِنسَانَ مِنْ عَلَقٍ o اِقْرَأْ وَرَبُّکَ الْأَکْرَمُ o الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ o عَلَّمَ الْاِنسَانَ مَا لَمْ یَعْلَمْ o

ترجمہ:۔اپنے پروردگار کے نام سے پڑھو، جس نے (سارے عالم کو) پیدا کیا، اور جس نے انسان کو خون کے لوتھڑے سے پیدا کیا، پڑھو! اور تمہارا رب بڑا کریم ہے، جس نے قلم کے ذریعہ علم سکھایا اور انسان کو وہ باتیں سکھائیں جو وہ نہیں جانتا تھا۔

اللہ تعالیٰ نے پوری مخلوقات میں سب سے زیادہ علم انسانوں ہی کو عطا فرمایا اور مختلف مخلوقات کا علم عطا فرمایا، انسانوں اور جنوں کو کتابوں سے اور غور وفکر سے بھی علم حاصل کرنے کے قابل بنایا، جانوروں کو جو علم عطا کرتا ہے وہ صرف اتنا ہی جانتے ہیں جتنا ان کو عطا کیا گیا، وہ غور وفکر کر کے عقل وفہم سے مزید علم حاصل نہیں کر سکتے اور نہ کائنات کی چیزوں میں اللہ کی قدرت سمجھ سکتے اور نہ پہچان سکتے ہیں، انسان اور جنات کی ہدایت کا سارا انتظام باہر سے علم حاصل کرنے پر رکھا گیا ہے، ورنہ وہ ہدایت نہیں پا سکتے۔

قرآن مجید جو تمام علوم میں سب سے بڑا علم ہے، وہ قولِ الٰہی ہے، اور اس قولِ الٰہی کی عملی مثال پوری کائنات کی چیزوں میں فعلِ الٰہی کی شکل میں ہے، اللہ نے کائنات کی

چیزوں میں غور وفکر کے ذریعہ اپنی قدرت کو سمجھانے کا طریقہ رکھا، اب انسانوں پر یہ ذمہ داری ہے کہ وہ قولِ الٰہی کو پڑھتے ہوئے کائنات کی مخلوقات میں غور وفکر کرکے اپنے مالک اور پروردگار کو پہچانے اور اس کی قدرت میں یقین پیدا کریں، اللہ نے اس دنیا میں جس طرح دوسری نعمتیں حاصل کرنے کی پوری آزادی واختیار ہر ایک کو دیا ہے، ویسی ہی آزادی واختیار ہر انسان کو تمام علوم حاصل کرنے کا دے رکھا ہے، چنانچہ جو جتنا زیادہ نفع بخش علم حاصل کرے گا وہ اتنا ہی علم سے آراستہ ہوتا چلا جائے گا، اس کو اتنی ہی ہر شعبہ کی ہدایت ورہنمائی ملتی رہے گی۔

مگر اللہ تعالیٰ نے علم حاصل کرنے کے لئے یہ تاکید کی ہے کہ اقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِيْ خَلَقَ o کہ جو بھی علم حاصل کرو وہ اپنے رب کے نام سے اور اس کی پہچان کے ساتھ حاصل کرو، ورنہ وہ علم علم ہی نہیں جو علیم کی پہچان نہ کرائے، وہ علم علم ہی کیا جو رب کی پہچان نہ کرائے، جس علم سے رب کی پہچان حاصل نہ ہوگی وہ علم انسانوں کے لئے علمِ نافع اور مفید نہیں بنے گا، قرآن نے یہ تعلیم دی کہ اہلِ علم (اللہ کی پہچان کا علم) رکھنے والے ہی اللہ سے ڈرتے ہیں۔ إِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَآءُ۔ (فاطر:۲۸)

اگر انسان اللہ کی پہچان حاصل کئے بغیر Cat, Rat, Cow پڑھے گا تو اس سے مخلوق کا تعارف تو حاصل ہو جائے گا لیکن خالق کی پہچان حاصل نہیں ہوگی، خالق کی پہچان حاصل کرنے کے لئے قولِ الٰہی قرآن مجید سے اللہ تعالیٰ کو پہچانے اور پھر فعلِ الٰہی کائنات کی چیزوں میں غور وفکر کرکے اس کی قدرت کو جانے، مثلاً اگر انسان اور جن قرآن مجید میں اللہ کو خالقِ کائنات پڑھیں تو کائنات کی چیزوں میں اس کی تخلیق پر غور کریں، اگر وہ اللہ کو مصور پڑھیں تو کائنات کی چیزوں میں اس کی مصوری پر غور کریں، اگر وہ اللہ کو رب پڑھیں تو کائنات کی چیزوں میں اس کی پرورش پر غور کریں، اگر وہ اللہ کو حکیم پڑھیں تو کائنات کی چیزوں میں اس کی حکمت پر غور کرکے اس کی حکمت کو سمجھیں، اگر وہ اللہ کو قادر اور قدیر پڑھیں تو کائنات کی چیزوں میں اس کی قدرت پر غور کریں، غرض وہ کائنات میں غور وفکر کرکے قولِ

الٰہی کو شعوری طور پر سمجھنے کے لئے اور اس کی قدرت میں یقینِ کامل پیدا کرنے کے لئے اپنے مالک کی ربوبیت، تخلیق، حاکمیت، رحمت، ہدایت، عدل، قدرت، مصوری، حکمت وغیرہ کے عملی مظاہروں کو دیکھیں، تب ہی وہ حقیقی اور شعوری ایمان حاصل کرسکیں گے۔

اگر اللہ کی پہچان حاصل نہ کرکے ڈاکٹر، انجینئر، سائنسدان، تاجر اور ملازم بنوگے تو وہ علم بندہ کو صرف پیٹ پالنا اور جانوروں کی طرح زندگی گذارنا سکھائے گا اور انسان بھی جانوروں کی طرح ایک پڑھا لکھا انگریزی، فارسی، تلگو، ہندی اور ٹامل بولنے والا جانور سے کم نہ رہے گا، اس کی زندگی اور جانوروں کی زندگی میں زیادہ فرق باقی نہیں رہے گا، چنانچہ موجودہ زمانہ میں لاکھوں انسان دنیا کی ڈگریاں رکھتے ہیں اور دنیا کے علوم جانتے ہیں، مگر وہ شرک، کفر، شراب، زنا، سود، قتل وغارت گری، بے ایمانی، دھوکہ دہی، بے پردگی، بے حیائی، ناچ گانا، ناانصافی، ظلم، بغض وعداوت، حسد، تعصب، بے شرمی اور ننگا پن، نیم عریانیت، حق تلفی، حرام کمائی وحرام خوری اور دوسرے بہت سے اخلاقِ رذیلہ کا شکار ہیں اور شیطان کی اطاعت میں زندگی گذار رہے ہیں، اس کی سب سے بڑی وجہ وہ اللہ کی پہچان ہی صحیح نہیں رکھتے یا اللہ کی قدرت پر یقین کمزور رکھتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے ایمان کو اعمال کا بیج اور جڑ بنایا ہے اور اپنے بندوں کو اپنا صحیح تعارف کروانے اور صحیح طریقہ سے ایمان لانے کی تعلیم دینے کے لئے سب سے بڑا اور سب سے اعلیٰ علم قرآن مجید کے ذریعہ نازل فرمایا ہے، پھر اس علم کو سمجھنے اور عمل کرنے کے لئے حدیث کا علم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ میں عطا فرمایا، اس کے ساتھ ساتھ انسانوں اور جنوں کو کائنات میں غور وفکر کی بار بار تاکید بھی فرمائی، تاکہ انسان کائنات کی چیزوں میں غور وفکر کرکے اللہ کی صفات کو سمجھے اور اس کی پہچان حاصل کرے اور اپنے یقین میں اضافہ کرتا رہے، اللہ کی پہچان حاصل کئے بغیر صحیح ایمان حاصل نہیں ہوتا اور اللہ کی صفات کو سمجھے بغیر اللہ کی پہچان حاصل نہیں ہوتی، چنانچہ اللہ انسانوں کو غور وفکر کرانے اور مخلوقات میں اپنی قدرت کو سمجھانے کے لئے ہر زمانہ میں سائنس وٹکنالوجی اور علم جغرافیہ میں مسلسل ترقی دے رہا ہے،

قرآن مجید اور حدیث کا علم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ عطا کیا اور دنیا کے تمام انسانوں کو یعنی عام وخاص کو کائنات کی چیزوں میں اپنی قدرت کو سمجھانے کے لئے غور وفکر کی تعلیم دی، تا کہ انسان اللہ کی قدرت کو سمجھ کر اس پر ایمان لائے، سائنس کیا ہے؟ کسی چیز کی حقیقت سمجھنے کا نام سائنس ہے! مگر انسان اس علم سے صرف دنیا کمانے اور دنیا کو استعمال کرنے کے طریقے ہی بنالیا، حالانکہ اس علم سے وہ ایک طرف دنیا کمانے کا ذریعہ بنا سکتا تھا تو دوسری طرف کائنات کی چیزوں میں غور وفکر کر کے اللہ کی پہچان اور اس کی معرفت حاصل کر سکتا تھا اور یقین کی کیفیت بڑھا سکتا تھا، اور شرک وکفر سے بچ کر اللہ پر صحیح طریقہ سے ایمان لا سکتا تھا، قرآن مجید میں تقریباً ۷۵۰/ آیتیں ایسی ہیں جن میں انسانوں اور جنوں کو باقاعدہ کائنات میں غور وفکر کرنے کی تعلیم دی گئی ہے اور ایمان کو سمجھایا گیا ہے، اور پوری قرآن میں اللہ کی تقریباً دو دو صفاتی نام ایک ساتھ بیان کئے گئے ہیں تا کہ فعلِ الٰہی میں غور کر کے صحیح ایمان حاصل کریں اور غور وفکر سے اپنے ایمان کو مضبوط کرتے رہیں، مولانا ابو الکلام آزاد فرماتے ہیں کہ انسانوں اور جنوں کو ایمان حاصل کرنے اور ایمان کو مضبوط کرنے کا واحد راستہ قرآن مجید نے کائنات میں غور وفکر بتلایا ہے، یعنی کائنات کی چیزوں میں غور وفکر سے یقین کی کیفیت بڑھتی ہے، اس کا مطلب یہ نہیں کہ ہم قرآن مجید کو سائنس کی مدد سے سمجھیں بلکہ سائنس اپنی ریسرچ سے مختلف چیزوں میں جو جو نشانیاں بتلا رہی ہے اس کو ہم اللہ کی مختلف صفات سے نسبت دے کر اپنے ایمان میں یقین پیدا کریں اور دنیا کی دوسری قوموں کو اللہ کی طرف دعوت دیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جب سب سے پہلی وحی غارِ حراء میں نازل ہوئی تو وہ سورۂ علق کی ابتدائی ۵/ آیات تھیں، اس میں اللہ تعالیٰ نے خاص طور پر انسانوں کو علم، قلم اور پڑھنے کی تاکید دوبار فرمائی، ذرا غور کیجئے کہ اس وقت مکہ کا معاشرہ اخلاقِ رذیلہ کا شکار تھا، پوری انسانیت میں انتہائی گرا ہوا معاشرہ تھا، ایسے وقت ان کو اپنی برائیاں چھوڑ کر اچھے اخلاق اختیار کرنے کی تاکید نہ کر کے یہ تاکید کی جارہی ہے کہ اے انسانو! اللہ نے تمہارے

لئے قلم پیدا کیا، علم نازل کیا اور تم کو وہ باتیں بتاتا ہے جو تم نہیں جانتے تھے، تم سب سے پہلے پڑھو اور اپنی پڑھائی کو اللہ کے نام سے، اللہ کی پہچان اور تعارف کے ساتھ حاصل کرو، جب تم اللہ کی پہچان اور تعارف حاصل کرو گے تو اس کی قدرت کو سمجھ سکو گے اور تمہارے اندر اللہ کی قدرت پر یقین مضبوط ہوگا اور تم شیطانی اخلاق چھوڑ کر اللہ کے اخلاقِ کریمہ اور صفات کی نقل کر سکو گے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایمان والوں کو اللہ کے اخلاق یعنی صفات کی نقل کرنے کی تعلیم دی، انسانوں کو سمجھایا گیا کہ اللہ تم کو زمین پر اپنا خلیفہ بنانا چاہتا ہے اور خلیفۂ زمین میں اللہ کی صفات اور اخلاق کی نقل کرنے کی صلاحیت ہونا ضروری ہے، تب ہی وہ کامیاب خلیفہ بن سکتا ہے، خلیفۂ زمین کو اللہ کی نقل میں رحم کرنا ہوگا، لوگوں کو ہدایت کی باتیں بتانی ہوں گی، لوگوں کے لئے رزق کی دوڑ دھوپ کرنی ہوگی، لوگوں کی ضرورتیں پوری کرنی ہوں گی، عدل و انصاف کرنا ہوگا، عفو و درگذر کرنا ہوگا، وعدہ کی پابندی کرنی ہوگی، لوگوں کا خیر خواہ بننا ہوگا، صبر کی صفت پیدا کرنی ہوگی، اگر وہ خلیفۂ زمین بن کر شیطان کے اوصاف کے ساتھ زندگی گذارے تو وہ ناکام خلیفہ ہوگا، جب تم اللہ کی پہچان اور تعارف حاصل کرو گے تو اس جیسی قدرت کسی میں نہ پاؤ گے اور مضبوط و پختہ یقین کے ساتھ اللہ پر ایمان لاؤ گے اور اللہ کو **اَلْــوَدُوْدُ** محبت کرنے والا اور **اَلْبَرُّ** احسان کرنے والا پاؤ گے، تو تم بھی اللہ کی نقل کرتے ہوئے خلیفۂ زمین ہونے کے ناتے اللہ کی مخلوق سے محبت کرو گے، بغض، عداوت اور تعصب سے دور رہو گے، انسانوں پر احسان و انعام کرنے والے بنو گے، اللہ کو **رب** پاؤ گے تو تم بھی خلیفۂ زمین ہونے کے ناتے تمام مخلوقِ خدا اور کنبہ کی ضرورتوں کو پورا کرنے کی نقل کرو گے، اللہ کو **العدل** اور **المقسط**، انصاف کرنے والا پاؤ گے تو اللہ کی نقل میں خلیفۂ زمین ہونے کے ناتے تم بھی صحیح انصاف کرنے والے بنو گے، اللہ کو **رزاق** پاؤ گے تو تم بھی اللہ کی نقل میں لوگوں کے رزق کا انتظام کرنے کو دوڑو گے، خود غرض و بے حس نہیں بنو گے، اللہ کو **توّاب، غفور، غفار** پاؤ گے تو تم بھی اللہ کی نقل میں لوگوں کو درگذر اور معاف کرنے والے بنو گے، اللہ کو **صبور** پاؤ گے تو تم بھی اللہ کے بندوں کے

ساتھ صبر کی نقل کروگے، اللہ کو **رحمن و رحیم** پاؤگے تو اللہ کے بندوں پر رحم کرنے کی نقل کروگے، اللہ کو **غنی** پاؤگے تو سوائے اللہ کے دوسروں کے آگے ہاتھ نہیں پھیلاؤگے اور دوسرے انسانوں پر بوجھ نہیں بنوگے، اللہ کو **نافع** پاؤگے تو تم بھی دوسرے انسانوں کے لئے نفع بخش بنوگے، اللہ کو **حلیم** پاؤگے تو تم بھی اللہ کے کنبہ کے ساتھ نرمی اور مروت سے پیش آؤگے، اللہ کو **خالق، باری** اور **مصور** پاؤگے تو اللہ کی نقل میں اللہ کی پیدا کردہ چیزوں سے انسانوں کی ضرورت کے نئے نئے سامان بنا کر ان کی مدد کروگے اور طاقت حاصل کروگے اور دوسرے انسانوں کے غلام ومحتاج نہیں رہوگے، تم خود ایک طاقتور انسان بن کر مضبوط کیریکٹر کے ساتھ زندگی گذار سکوگے، مگر آج کا مسلمان چھوٹی سے چھوٹی چیز کا انگریزوں کا محتاج بنا ہوا ہے، نہ ایمان میں مضبوط ہے اور نہ طاقت میں۔

غرض جتنا زیادہ تم اللہ کی پہچان حاصل کروگے تو اتنی ہی تم اللہ کی قدرت پر یقین کی کیفیت بڑھا کر اس کے اخلاق اور صفات کی نقل کرسکوگے اور تمہارے اندر اخلاق حسنہ پیدا ہوں گے، تمام پیغمبر علیہم السلام اور صحابہ رضی اللہ عنہم اللہ کے اخلاق کی نقل کر کے دنیا میں زندگی گذار کر چلے گئے، انسانوں میں اللہ کے اخلاق کی نقل کرنے کی صلاحیت اسی وقت پیدا ہوسکتی ہے جب وہ اللہ کی پہچان اور معرفت حاصل کریں، ورنہ وہ انسان ہوتے ہوئے بھی شیطان بن کر زندگی گذاریں گے، اس لئے دنیا میں جو بھی علم حاصل کرو اس کے ذریعہ اللہ کی پہچان اور معرفت بھی حاصل کرو۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا: اللہ نور السمٰوات و الارض ، اللہ تعالیٰ ہی کائنات کی اصل روشنی اور نور ہے، جب تم اللہ سے واقف ہوجاؤگے اور اللہ کو پہچان کر ایمان لاؤگے تو تمہاری زندگی کی تمام تاریکیاں اور اندھیرے دور ہوجائیں گے اور تم پوری روشنی اور اجالے میں زندگی گذار سکوگے، اللہ کے نور میں زندگی گذار سکوگے اور تم میں نورانیت اور روحانیت پیدا ہوگی، جس طرح سورج کی روشنی اندھیرے کی چیزوں کی پہچان کا ذریعہ ہے اسی طرح اللہ پر ایمان کائنات کی حقیقت سمجھنے کا نور ہے، حضرت عیسیٰ علیہ

السلام کے دنیا سے اٹھائے جانے کے بعد کئی سالوں تک پیغمبر کے نہ آنے کی وجہ سے سارا عرب؛ بلکہ سارا عالم اندھیرے میں ڈوب گیا تھا، اس زمانہ کو زمانۂ جاہلیت اس لئے کہتے ہیں کہ وہ زمانہ علم کی روشنی سے خالی ہوکر جہالت کے اندھیرے میں گھر گیا تھا، انسان شرک، بت پرستی، کفر اور ہر قسم کے اخلاقِ رذیلہ کا شکار ہو چکے تھے، اخلاق حسنہ سے بہت دور نکل چکے تھے، انسانوں کی آبادی جنگل اور جانوروں کی آبادی سے بھی گری ہوئی بن گئی تھی، جس طرح ایک بڑا محل کئی سالوں تک ویران اور سنسان اندھیرے میں پڑا رہے تو اس میں ہر قسم کے زہریلے جانور سانپ، بچھو، کتا، بلی اور چوہے اپنا مسکن بنا لیتے ہیں، کچرا، مکڑیوں کے جالے اور جھینگوروں سے محل آباد ہو جاتا ہے، مگر جیسے ہی اس میں روشنی آتی ہے تو سانپ، بچھو، کتا اور بلی وغیرہ سب بھاگ جاتے ہیں، محل کی صاف صفائی ہو سکتی ہے، جو اندھیرے میں نہیں ہو سکتی تھی، روشنی آتے ہی خود بخود اندھیرے دور ہو جاتے ہیں، اسلام نے علم حاصل کرنے پر بہت زور دیا اور خاص تاکید فرمائی، کسی بھی دوسرے مذہب میں اتنی تاکید نہیں جتنی اسلام میں ہے، چنانچہ زندگی کے ہر شعبہ کا علم حاصل کرنا فرض کیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بندوں کو علم میں زیادتی کی دعا کرتے رہنے کی تعلیم دی ہے۔

اللہ کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگِ بدر کے قیدیوں کو معاف کرنے اور جرمانے کی یہ شرط رکھی تھی کہ ہر قیدی مسلمانوں کے دس دس بچوں کو لکھنا پڑھنا سکھائے، بزرگوں نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ اگر علم حاصل کرنے چین تک جانا پڑے تو چلے جاؤ، ذرا غور کیجئے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر تو قرآن نازل ہو رہا تھا، اس علم سے بڑا اور افضل علم کوئی دوسرا نہیں تھا، پھر بھی آپؐ نے بچوں کو پڑھنا لکھنا سکھانے کی شرط کیوں رکھی؟ اور دور دراز تک سفر کر کے علم حاصل کرنے کی ترغیب کیوں دی؟ اس لئے کہ جو وحی نازل ہو رہی تھی اس کو سیکھنے اور سمجھنے اور اس پر غور وفکر، تفکر وتدبر کرنے کے لئے لکھنا پڑھنا سیکھنا انسانوں کی ترقی کا بہت بڑا ذریعہ بننے والا تھا، لکھنا پڑھنا سیکھ کر انسان کائنات میں غور وفکر کر کے زیادہ سے زیادہ ترقی کر سکتا ہے، اور اللہ تعالیٰ کی معرفت اور پہچان آسانی سے حاصل کر سکتا ہے،

اور یقین کو مضبوط کرسکتا ہے، اَن پڑھ انسان کے مقابلہ میں پڑھا لکھا انسان قرآن مجید کو اعلیٰ اور عمدہ طریقے سے سمجھ سکتا ہے، ہوسکتا ہے کہ جن بچوں کو لکھنا پڑھنا سکھایا گیا تھا وہ اگر ۲۰۰ رتھے تو وہ دو ہزار کو لکھنے پڑھنے کے قابل بنادئے ہوں گے، یہی وجہ ہے کہ صحابہؓ اور تابعینؒ کے دور میں ہر طرف علمی حلقے چلنے لگے تھے، لوگوں میں بڑے بڑے اہل علم پیدا ہوئے اور بعد کے دور میں مسلمانوں ہی میں سے دین کو گہرائی سے سمجھنے والوں، مغربی دنیا کو سائنس اور ٹکنالوجی کا علم سکھانے والوں نے اندلس میں اپنی درسگاہیں قائم کیں اور غور وفکر کے ذریعہ دنیا کو علم سائنس، علم نباتات، علم حساب، علم حیوانات، علم طب، علم جغرافیہ، علم کیمسٹری، علم فزکس وغیرہ دیا اور اللہ کی معرفت بھی سمجھائی، سارا یورپ اور مغربی لوگ ان ہی سے علم حاصل کرنے آتے تھے، مگر آج صورتحال اُلٹی ہے، ہم غور وفکر سے دور ہونے کی وجہ سے علم کے میدان میں بہت پیچھے ہیں اور غیروں کے محتاج بنے ہوئے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے سورۂ بقرہ میں حضرت آدم علیہ السلام کی خلافتِ ارضی کا واقعہ بیان کرتے ہوئے یہ بتلایا کہ حضرت آدم علیہ السلام کو فرشتوں پر جو فضیلت ملی تھی وہ علم ہی کی بنیاد پر ملی تھی، اللہ نے ان کو ہر چیز کا تعارف ان کے ناموں کے ساتھ کرایا تھا، حالانکہ فرشتے اللہ کی تسبیح وحمد بیان کرنے میں سب سے آگے تھے، خلافتِ ارضی پر ذکر اور تسبیح کے ساتھ ساتھ خلیفہ کو ہر چیز کا علم ہونا ضروری تھا، تب ہی وہ خلیفہ کے فرائض بحسن وخوبی انجام دے سکتا ہے، اگر خلیفۂ ارضی فرشتوں کی طرح ذکر اور تسبیح کرتا بیٹھا رہے تو خلافت کی ذمہ داریاں ادا نہیں کرسکتا، علم میں سب سے اونچا علم اللہ تعالیٰ کی معرفت اور پہچان ہے، اگر خلیفۂ ارضی اللہ کی پہچان ہی صحیح نہ رکھتا ہو اور کائنات کی چیزوں میں اللہ کی قدرت اور اس کی کاریگری کو نہ پہچانے اور کمزور یقین کے ساتھ زندگی گذارے اور شرک کرتا رہے تو وہ ناکام رہے گا اور شیطانی صفات کے ساتھ زندگی گذارے گا اور مخلوق پر ظلم کرے گا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب مکہ مکرمہ میں دعوت کا کام کررہے تھے تو آپ سے لوگوں نے معجزات کا مطالبہ کیا، اللہ نے انہیں یہ تعلیم دی کہ معجزات اور چمتکار کے ذریعہ ایمان

دینا ہوتا تو اللہ تعالیٰ تمام انسانوں کو تخلیقی طور پر فرشتوں کی طرح ہدایت یافتہ پیدا کرتا تھا، مگر وہ چاہتا ہے کہ انسان اپنی عقل وفہم کا استعمال کر کے کائنات میں غور وفکر کر کے ایمان لائے، شر اور خیر کو سمجھتے ہوئے ایمان لائے، اپنی آزادی کا صحیح استعمال کر کے ایمان لائے، قرآن مجید نے جگہ جگہ انسانوں کو احساس دلایا کہ کیا آسمان، زمین، ہوا، پانی، جانور، درخت، یہاں تک کہ خود انسانوں میں اللہ کے معجزے نظر نہیں آتے؟ کیا یہ تمام چیزیں اللہ کے معجزات نہیں ہیں؟ کیا ان میں معجزات سے زیادہ اللہ کی قدرت وکمالات نظر نہیں آتے؟ انسان عقل کو استعمال کیوں نہیں کرتا؟ کیا ان کی عقلوں پر پردہ اور تالے پڑ گئے ہیں؟ اگر وہ کائنات کی چیزوں میں غور کریں گے تو اُنہیں معرفتِ الٰہی آسانی سے ملے گی۔

موجودہ زمانہ میں مغربی ممالک کائنات کی چیزوں میں ریسرچ کر کے چیزوں کی حقیقت اور ان کا میکانیزم تو جان رہے ہیں مگر وہ خالق کو **Discover** نہیں کر پا رہے ہیں، خالق کو نہیں پہچان پا رہے ہیں، یہ کام تو مسلمان ڈاکٹر، انجینئر اور سائنس دانوں، علم حیوانات، علم نباتات، علم جمادات، علم معدنیات، علم فلکیات، علم طب، علم معاشیات، علم حساب، علم جغرافیہ، علم فزکس، علم کیمسٹری وغیرہ رکھنے والے مسلمان اہلِ علم کا ہے کہ وہ دنیا کی دوسری قوموں کو ان چیزوں میں اللہ کی قدرت، اس کے کمالات، اس کی ربوبیت، اس کی تخلیق، اس کی مصوری، اس کی رحمت، اس کی حکمت، اس کی ہدایت، اس کی قدرت، اس کی کاریگری وغیرہ کو سمجھا کر اللہ کی پہچان کرائیں اور سمجھائیں کہ اللہ جیسی قدرت وکمالات والی ذات کوئی دوسری نہیں، مسلمان دانشوروں کا کام ہے کہ وہ سائنس وٹکنالوجی کے ذریعہ خاص طور پر اللہ کے کلام میں دی گئی معرفتِ الٰہی زیادہ سے زیادہ دنیا کے سامنے پیش کریں، اس لئے کہ ان کا مالک **علیم** ہے، اس نے اپنی پہچان اور معرفت کا علم مختلف صفات کے ذریعہ قرآن میں نازل کر کے مسلمانوں کے پاس محفوظ رکھا ہے اور اپنے کاموں اور صفات کی تفصیل کائنات کی چیزوں میں رکھا ہے، اللہ کی پہچان کائنات کی چیزوں میں مختلف صفات پر غور وفکر کرنے ہی سے حاصل ہوگی۔

اس دور میں مسلمانوں کے پاس غور وفکر نہیں کے برابر ہے اور وہ اسی وجہ سے ایمان

میں کمزور ہوکر خود شرک کا شکار ہورہے ہیں، ارشادِ باری تعالیٰ ہے: سَنُرِيهِمْ آيَاتِنَا فِي الْآفَاقِ وَفِي أَنفُسِهِمْ حَتَّى يَتَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُ الْحَقُّ۔ عنقریب ہم ان کو اپنی نشانیاں آفاق میں بھی دکھائیں گے اور ان کے اپنے انفس میں بھی، یہاں تک کہ ان پر بات کھل جائے گی کہ یہ قرآن واقعی برحق ہے۔(حٰمٓ سجدہ:۵۳)

ذرا غور کیجئے کہ آج آفاق وانفس میں غور وفکر اور ریسرچ کون کر رہے ہیں؟ کیا مسلمان ریسرچ کا کام کر رہے ہیں؟ مسلمان علم حاصل کرنے اور ریسرچ پر پیسہ خرچ کرنے کے بجائے ایک زمانہ سے عمارتیں بنانے، شاندار دعوتیں کرنے، کپڑوں کا شوق پورا کرنے میں خرچ کر رہے ہیں، وہ اپنے بچوں کی حقیقی پڑھائی کے مقابلہ میں شادی بیاہ میں خوب دولت لُٹاتے ہیں، کاش وہ علم حاصل کرتے اور ریسرچ کا کام کرتے تو دنیا کو کائنات کی چیزوں میں اللہ تعالیٰ کا تعارف کرواسکتے تھے، اسی لئے وہ دعوت الی اللہ میں بھی بہت کمزور ہیں، انہوں نے سائنس وٹکنالوجی اور جغرافیہ کے علم کو صرف دنیا کا علم سمجھا اور اس سے فائدہ اٹھانے کو تیار نہیں، اس سے اللہ کی معرفت حاصل کرنے کا وہم وگمان ہی نہیں، انہوں نے علم کو دو حصوں میں بانٹ کر دنیا کا علم اور دین کا علم الگ الگ بنا دیا۔

دنیا کی دوسری قومیں جو آسمانی کتاب کی حامل تھیں وہ صفات الٰہی کا غلط تصور قائم کر کے افراط اور تفریط کا شکار ہوگئیں، انہوں نے اللہ کی صفتِ جلال کو ایسی ہستی بنا ڈالا کہ وہ عذاب اور سزا دینے والی ذات ہے اور انسانوں سے جنگ کرتا ہے، عیسائیوں نے اللہ کی صفاتِ جمال کو ایسی ہستی بنا ڈالا کہ اگر ایک گال پر مارا جائے تو دوسرا گال پیش کیا جائے، یہ صرف ان کی زبان کے بول ہیں، مگر وہ عملی میدان میں ایسا نہیں کرتے، ایک انگریز طالب علم اپنے علمی زمانے میں اس بات پر بڑا تعجب کیا اور ایک دن وہ اپنے والد سے سوال کر بیٹھا کہ اگر ہمارے ایک گھر پر کوئی قبضہ کرلے تو کیا ہم دوسرا گھر بھی دے دیں؟ اگر ایک دُکان پر کوئی قبضہ کرلے تو کیا دوسری دُکان بھی دیدیں؟ یہ بات تو سمجھ سے باہر کی ہے اور عملی میدان میں اس طرح کا عمل کوئی بھی نہیں کرتا۔

اہل ہنود کے ہاں اللہ کی ایک ایک صفت کو ایک ایک دیوی دیوتا بنا کر کسی کو مذکر بنا دیا

گیا اور کسی کو مؤنث بنا دیا گیا، اسی طرح مسلمانوں میں بعض فرقے اللہ کی صفت ہدایت پر غلط عقیدہ بنا کر گناہ کرنے پر سب کچھ اختیارات کا ذمہ دار خدا کو بنا دیا، کسی نے صفت رحمٰن و رحیم کا غلط تصور کر کے گناہ کرنے پر یہ تصور قائم کیا کہ وہ ۷۰/ ماؤں سے زیادہ محبت رکھتا ہے، کیا وہ اپنے ایمان والے بندوں کو دوزخ میں ڈالے گا، جس طرح ماں اپنے بچہ کو جلتا ہوا برداشت نہیں کرسکتی، اسی طرح وہ رحمت والی ذات ہے، اپنے بندوں کو کیسے آگ میں جلتا ہوا برداشت کرے گا، کسی نے یہ تصور قائم کیا کہ پالنے اور پرورش کرنے والا وہی ہے، لہٰذا قسمت میں جو رزق ملنا ہے مل کر رہے گا، محنت کرنے کی ضرورت ہی نہیں، کسی نے سمجھا کہ ہر بڑے گناہ کی معافی نہیں ملتی، وہ ناامیدی میں مبتلا ہو گئے۔

اسلام نے اللہ تعالیٰ کے ۹۹/ صفات کے ذریعہ تعارف کروا کر انسان کو افراط و تفریط سے بچایا اور اللہ کے ساتھ صحیح عقیدہ رکھنے کی تعلیم دے کر اعتدال پیدا کیا اور یہ تعلیم دی گئی کہ **تَخَلَّقُوْا بِاَخْلَاقِ اللّٰهِ** انسان اللہ کے صفات کی نقل کریں، جب انسان اللہ کی صفات کی نقل کرے گا تو اس کے اخلاق انسانوں میں سب سے اعلیٰ اور ارفع ہو جائیں گے، تمام پیغمبروں نے اللہ کی صفات کی نقل کرتے ہوئے دنیا میں زندگی گذاری، چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کئی موقعوں اور خاص طور پر فتح مکہ کے وقت اللہ کی صفت عفو و درگذر اور معاف کرنے کی نقل کی، لوگوں کو یہ تعلیم دی کہ تم زمین والوں پر رحم کرو، آسمان والا تم پر رحم کرے گا، خود بھوکے اور ضرورتمند رہ کر اپنے جسم کا کپڑا تک دے دیا اور ہر وقت لوگوں کی ضرورتوں کا خیال رکھا، اللہ کی نقل میں دینے والا ہاتھ بنے لینے والا نہیں، لوگوں کو ہدایت و رہنمائی اور ان کے ساتھ عدل و انصاف کیا، دشمن کے ساتھ بھی اخلاق اختیار کئے، لوگوں کی مدد کرنے دن رات تیار رہے، تعصب سے دور رہے، لوگوں کی زیادتی پر صبر کرتے رہے، ہمیشہ انسانوں کی بھلائی چاہے اور ناکامی سے بچانے کی کوشش کی۔

اسلام نے لوگوں کو یہ بھی تعلیم دی کہ اللہ کے جو صفات قرآن و حدیث میں بتلائے گئے اس سے ہٹ کر اللہ کو اپنی عقل و ذہن میں آنے والے صفات سے نہ پکارا جائے، مثلاً

اللہ مربی ہے یا اللہ معلم ہے، اگر کوئی انسان اللہ کو **یَا مُعلِّم یا یَا مُرَبِّی** کہہ کر پکارے تو اس میں وہ شان ظاہر نہ ہوگی جو اللہ کے صفاتی ناموں میں بتلائی گئی ہے۔

اسی طرح اگر رسول اللہ ﷺ کو رؤف الرحیم کہا گیا ہے، تو آپ ؐ کو خدا کے مقام پر بیٹھانے کے لئے نہیں؛ بلکہ آپ ؐ کی عبدیت و بندگی میں رحم و نرمی کو ظاہر کرنے کے لئے کہا گیا ہے۔

صفاتِ الٰہی کو سمجھنے سے یہ بات آسانی سے سمجھ میں آسکتی ہے کہ ان کا مالک ہر قسم کی اچھی اچھی صفات سے متصف ہے، مخلوقات میں جو کچھ صفات و کمالات اور اخلاق نظر آتے ہیں، وہ سب اللہ کی عطا اور دین ہے، ان کا اپنا ذاتی کمال اور خوبی نہیں اور یہ بھی نہیں سمجھنا کہ اللہ کی صرف ۹۹/صفات ہی ہیں، اس کے علاوہ اس کی بے شمار صفات ہیں جو ہمیں نہیں بتلائی گئیں، ہم اللہ کی بتلائی ہوئی ان صفات کا پوری طرح ادراک بھی نہیں کر سکتے اور نہ ان کی تفصیل ان صفات کی شان کے مطابق بیان کرنا انسان کے بس کی بات ہے۔

اللہ کی چند صفات ایسی ہیں جن سے عقائد درست ہوتے ہیں، چند سے اعمال درست ہوتے ہیں، چند سے جواب دہ ہونے، اور سزا و جزا کا احساس زندہ ہوتا ہے، چند سے اللہ کے رحم اور معاف کرنے کی تعلیم ملتی ہے، چند صفات جمالی اور چند جلالی ہیں، اس سے بندے میں خشیت، خوف، محبت و امید پیدا ہوتے ہیں، اس لئے ہمیں اللہ کی صفات پر غور و فکر کی تعلیم دی گئی، ہم یہاں چند صفات کو سطحی طور پر سمجھانے کی کوشش کریں گے تاکہ بنیادی طور پر ہر صفت کو سمجھانے کا اصول سمجھ میں آجائے۔

عالم ارواح میں روح بغیر جسم و اعضاء کے تھی

انسانوں اور جنات کے لئے عالم ارواح امتحان و آزمائش کی جگہ نہیں تھی، وہاں قیامت تک آنے والے تمام مسلم اور غیر مسلم کی ارواح تھیں، اور وہ اللہ کی تجلی کے سایہ میں ہونے کی وجہ سے ان میں اللہ تعالیٰ کی تڑپ اور محبت پیدا ہوگئی، وہاں ارواح کو کسی قسم کی حاجتیں اور محتاجیاں نہیں تھیں، اس لئے وہاں ان کا امتحان بھی نہیں لیا جاسکتا تھا، اللہ نے ان سے **اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ** (کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں)؟ کا سوال کیا تو سب نے روح کی

طاقت سے کہا: بَلٰی (ہاں! کیوں نہیں آپ ہی ہمارے رب ہیں) عالم ارواح چونکہ اسباب کی دنیا نہیں تھی اس لئے کسی کو بھی اللہ کو رب ماننے میں انکار اور اختلاف نہیں ہوا، سب نے بلا شبہ رب مانا۔ رب اس ذات کو کہتے ہیں جو اپنی تمام مخلوقات کی ہر عمر میں ہر قسم کی ہر اعتبار سے تمام ضرورتیں محبت کے ساتھ پوری کرتے ہوئے کمال تک پرورش کرنے والا ہے۔

عالم ارواح میں امتحان کیوں نہیں لیا جا سکتا تھا؟

عالم ارواح اسباب کی دنیا نہیں ہے، وہ ایسا مقام تھا جہاں روح کو کسی قسم کی حاجتیں محتاجیاں اور ضرورتیں نہیں تھیں، مثلاً پیدائش' موت' بھوک' پیاس' بول و براز' تجارت' نوکری' دولت' نکاح' طلاق' اہل وعیال' طہارت' غسل جنابت و وضو' صحت و بیماری' رشتہ داری' نماز' روزہ' زکوٰۃ' حج' امیری وغریبی وغیرہ جیسی ضرورتیں نہیں تھیں، وہاں روح کو نہ کسی قسم کا مجاہدہ کرنا تھا اور نہ تقویٰ و پرہیزگاری اختیار کرنے کا ماحول تھا، نہ شر اور خیر کی طاقت تھی، نہ نفس و شیطان کا عمل دخل تھا، اللہ کی عبدیت و بندگی کرنے کے لئے جسم بھی نہیں تھا، وہاں مختلف شعبے والی زندگی نہیں تھی کہ وہ زندگی کے مختلف شعبوں میں گناہوں سے بچ کر اللہ کی اطاعت و بندگی کر سکے، دل و دماغ اور زبان نہ ہونے کی وجہ سے ایمان قبول کرنے نہ کرنے، ذکر الٰہی کرنے، کتاب الٰہی کی تلاوت کر کے دین کی سمجھ حاصل کرنے' ہاتھ' پیر اور شرمگاہ سے نیکی اور برائی کا اختیار نہیں تھا، اس لئے عالم ارواح کو امتحان گاہ نہیں بنایا گیا۔

ماں کے پیٹ میں روح کو اعضاء دینے کا انتظام کیا گیا

روح کا امتحان لینے کے لئے دنیا کو دارالاسباب بنایا گیا، اس لئے دنیا میں بھیجنا ضروری تھا، چنانچہ ماں کے پیٹ میں نو مہینے رکھ کر دنیا میں امتحان لینے کے لئے اعضاء دینے کا انتظام کیا گیا، اگر روح بغیر اعضاء کے دنیا میں آ جاتی تو اعضاء نہ ہونے کی وجہ سے اپنی مرضی اور پسند سے نیکی و بدی اختیار نہ کر سکتی تھی، اور اپنے اختیار و آزادی سے مؤمن یا غیر مؤمن نہ بن سکتی تھی، اس کی عبدیت و بندگی کا امتحان نہیں لیا جا سکتا تھا۔

اس کی مثال ایسی ہے جیسے ایک اندھا یہ کہے کہ میں نے کوئی ننگی تصویر نہیں دیکھی،

ایک بہرا کہے کہ میں نے گانے اور بُری باتیں کبھی نہیں سنی، ایک گونگا کہے کہ میں کبھی بری بات نہیں کہی اور گالی گلوج بھی نہیں کی، ایک شرمگاہ سے محروم شخص یہ کہے کہ میں نے کبھی زنا نہیں کیا، ان کا یہ کہنا کمال کی بات نہیں ہے اور ان پر فرد جرم عائد ہی نہیں ہوتا، اس لئے ماں کے پیٹ میں روح کو اعضاء دے کر دنیا میں بھیجنا ضروری تھا، ان اعضاء ہی کی مدد سے روح ایمان کو ماننے یا نہ ماننے اور نیکی یا بدی کا اختیار رکھتی ہے، اور اعضاء ہی کی وجہ سے زندگی کے مختلف شعبوں میں روح کا امتحان لیا جا رہا ہے۔

انسان اور جن کو مختلف چیزوں کا محتاج بنا کر بھیجنے کا مقصد

اللہ تعالیٰ انسان کو دنیا میں بھیجنے کے بعد امتحان کی خاطر زندگی کے ہر شعبہ میں اسباب کا حاجتمند اور اپنا محتاج بنا کر دنیا میں بھیجا ہے۔ انسان دنیا میں آنے کے بعد ہر چیز کو بنتے اور پیدا ہوتے ہوئے دیکھتا ہے، اور اپنی پیدائش پر دماغ سے غور کرتا ہے تو جان جاتا ہے کہ اللہ کے سوا کوئی خالق نہیں، اس کو اللہ ہی کے خالقِ کائنات ہونے کی معرفت ملتی ہے، یہ معرفت عالم ارواح میں نہیں ملتی تھی، وہ دیکھتا ہے کہ کائنات کی ساری مخلوقات کی تربیت اور ضرورت و پرورش اکیلا اللہ ہی کر رہا ہے اور وہ خود بھی پرورش میں اللہ کا محتاج ہے تو اُسے اللہ ہی کے رب ہونے کی معرفت ملتی ہے، یہ معرفت عالم ارواح میں نہیں ملتی تھی، دنیا میں آ کر بھوک پیاس محسوس کرے گا تو اس کو یہ معلوم ہوتا ہے کہ ساری جاندار مخلوقات کے ہر قسم کے رزق کو عطا کرنے والا اکیلا اللہ ہی ہے، اُسے اللہ کے رزّاق ہونے کی معرفت ملتی ہے، یہ معرفت اُسے عالم ارواح میں نہیں ملتی تھی، جب اس کو دنیا میں آنے کے بعد اس کے دل و دماغ کو مختلف قسم کا علم ملے گا اور اُسے ایمان کی دولت ملے گی تو وہ جان جائے گا کہ ساری مخلوقات کو علم دینے والا اور ہدایت دینے والا اکیلا اللہ ہی ہے، اس کو اللہ کے علیم اور ہادی ہونے کی معرفت ملتی ہے، گناہ اور غلطی ہونے اور اللہ سے رجوع ہو کر توبہ کرتے ہوئے معافی مانگنے سے اُسے اللہ ہی توّاب ہونے کی پہچان ملتی ہے، گناہوں پر مہلت ملنے اور سزاؤں سے بچے رہنے پر اللہ کو حلیم، عفو، غفور اور غفار کی حیثیت سے پہچانے گا۔

ماں باپ کو بچوں کی خدمت کرنے، اولاد کا والدین اور بوڑھوں کے ساتھ ہمدردی کرنے اوران کے حقوق ادا کرنے اور بیماروں کی تیمارداری کرنے، بیواؤں، مسکینوں کی مدد کرنے پر اللہ ہی رحمٰن ورحیم ہونے کی معرفت ملتی ہے، اور عذابات سے انسانوں کی پٹائی ہونے پر وہ اللہ ہی کو انتقام لینے والا، سرکشی پر عذاب سے شدید العقاب اور قہار کی معرفت ملے گی، یہ معرفت اُسے عالم ارواح میں نہیں مل سکتی تھی، کائنات کے ذرّہ ذرّہ پر اللہ کے قادرِ مطلق ہونے کو دیکھ کر اللہ ہی کے ملِک اور مالک ہونے کی معرفت اُسے ملتی ہے، یہ معرفت عالم ارواح میں نہیں مل سکتی تھی۔

حدیث قدسی میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''حق تعالیٰ جل شانہٗ ارشاد فرماتے ہیں کہ میں ایک مخفی خزانہ تھا، پس مجھے یہ بات معلوم ہوئی کہ میں پہچانا جاؤں، تو میں نے مخلوق کو پیدا کیا۔''

دنیا میں بھیجنے کا مقصد ہی اللہ تعالیٰ کی پہچان ہے

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ ۝ (الذاریات:۵۶) میں نے جن اور انسان کو اپنی (پہچان کے ساتھ) عبادت کے لئے پیدا کیا۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ یہاں **لیعبدون** میں **یعرفون** چھپا ہوا ہے، اس لئے اللہ تعالیٰ نے عالم ارواح سے دنیا میں بے شمار حاجتوں کے ساتھ پیدا فرمایا اور مقصد محض یہی رکھا کہ میرے بندے زندگی کے ہر شعبہ میں اپنی مجبوری ومحتاجی سے میری صفات کو سمجھیں اور پہچان حاصل کرلیں، اور میری اطاعت وغلامی محبت کے ساتھ کرتے ہوئے میری رضاء حاصل کریں، اس پر میں انہیں جنت کا وارث بناؤں گا۔

یہ امتحان عالم ارواح میں صرف ''بلیٰ'' کے اقرار سے پورا نہیں ہوسکتا تھا جب تک کہ عملی میدان میں اس اقرار کا ثبوت نہ دیا جائے، اپنی پسند اور چاہت سے ایمان لاکر اس کی اطاعت وبندگی اور فرمانبردار بننے کا اظہار نہ کیا جائے۔

اللہ تعالیٰ نے روح کو انسان کا بیج بنایا ہے

اللہ تعالیٰ نے انسان کی روح کو بیج کی طرح بنادیا، اب انسان چاہے تو اس کی

حفاظت کرسکتا ہے، چاہے تو برباد کرسکتا ہے، عالم ارواح میں اللہ کی صفت ربوبیت کی تجلی سے **اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ** کا جواب **بَلٰی** سے دیا گیا، گویا اللہ نے وہاں روح کو بیج کی حیثیت دے کر اپنی پہچان کروایا، اپنی محبت ہر انسان کے تحت الشعور میں پیدا کردی اور تعلیم دی کہ میں ہی تمہارا مالک، پروردگار اور تربیت کرنے والا مربّی یعنی رب ہوں، اس عہد کے یاد دلانے کے لئے میں پیغمبروں کو بھیجوں گا، اور اپنی پہچان کروانے کے لئے کتاب بھی نازل کروں گا، دنیا میں ذات کے بجائے صفات کے ذریعہ تمہیں نظر آؤں گا، اس لئے تم مجھے پہچان کر ایمان لانا اور میری ہی اطاعت و بندگی کے لئے زندگی کے ہر شعبے میں مجھ ہی سے رجوع ہونا۔

اللہ نے زمین پر انسانی بیج کو امتحان کے لئے بھیجا

اللہ تعالیٰ نے اس انسانی روح کو بیج کی شکل دے کر دنیا میں پھلنے پھولنے کے لئے ترقی حاصل کرنے کی آزادی کے ساتھ بھیجا، اس لئے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: **الدنیا مزرعة الاٰخـرة** ۔ دنیا آخرت کی کھیتی ہے۔ بیج کو پہاڑوں پر، سمندروں میں یا ہواؤں اور خلاؤں میں نہیں بھیجا گیا، روح کے لئے سارے امتحانات کے سوالات دنیا ہی میں رکھے گئے۔

انسان اپنی روح کو شجرۂ طیبہ بنا سکتا ہے یا شجرۂ خبیثہ بنا سکتا ہے

اب انسان کو یہ اختیار و آزادی دی گئی ہے کہ وہ دنیا میں جا کر اپنی روح بیج کی مدد سے کلمہ طیبہ کا درخت بن جائے اور اپنے پھولوں اور پھلوں سے دنیا میں ہمیشہ خیر ہی خیر کے مزید ار پودے پھیلا کر آئے تب ہی وہ آخرت میں کامیاب ہوسکتا ہے اللہ کا دوست اور ولی بن سکتا ہے۔

اللہ نے ایمان والے نیک بندوں کو دوست بنانے کا وعدہ کیا ہے

اللہ تعالیٰ نے ایمان والے نیک بندوں کو اپنا ولی اور دوست بنانے کا وعدہ کیا ہے، ذرا غور کیجئے دنیا میں کوئی انسانی بادشاہ اپنے کسی نوکر اور غلام کو جو اسی کی طرح انسان ہوتا ہے دوست اور ولی نہیں بناتا، اور نہ دوست کہتا ہے، اس میں وہ اپنی بے عزتی سمجھتا ہے، اللہ تعالیٰ شہنشاہِ کائنات ہونے کے باوجود انسان کو جو اللہ ہی کا غلام و بندہ ہے جو معمولی قطرہ سے محتاج و مجبور رہ کر اللہ ہی کی نعمتیں استعمال کر کے پلا اور بڑا ہوا اور اللہ ہی کی دی ہوئی توفیق سے ایمان

لایا اور نیک عمل کیا اس کو اپنا ولی اور دوست بنانے کا وعدہ کر رہا ہے، نَحۡنُ اَوۡلِیَآءُ کُمۡ فِی الۡحَیٰوةِ الدُّنۡیَا وَالۡاٰخِرَةِ. ہم تمہارے دوست رہیں گے دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔

اگر انسان اپنے روح کے بیج کو ضائع کرے گا اور اس بیج سے شجرۂ طیبہ نہ بن کر شجرۂ خبیثہ بنے گا، اور دنیا میں کڑوے کسیلے کیڑ والے پودے چھوڑ جائے گا تو ایسا انسان شیطانوں کے ساتھ رہ کر آخرت میں دوزخ کی آگ میں جلے گا، اس کا ٹھکانہ جہنم ہوگا۔

یہ مقام ومرتبہ دوسری مخلوقات کو نہیں ملے گا

تمام مخلوقات اللہ کی غلام اور بندے ہیں، اور فرشتہ تو اللہ کی پاکیزہ وفرمانبردار مخلوق ہیں، فرشتوں کو بھی یہ مقام نہیں مل سکتا، تمام مخلوقات میں سے دوست اور ولی کا یہ شرف صرف نیک اور متقی انسانوں کو دیا جا رہا ہے، انسان غلام اور نوکر بن کر چاہے کتنی ہی انسانی بادشاہ کی خدمت وفرمانبرداری کرلے پھر بھی انسانی بادشاہ اس کو اپنا ولی نہیں بناتا، اگر اس امتحانی زندگی میں انسان اپنی روح کی حفاظت کر کے اپنے کو شجرۂ طیبہ بنالے تو فرشتوں سے بھی اونچا مقام حاصل کر سکتا ہے، اللہ کا ولی اور دوست بن سکتا ہے، حالانکہ اللہ اور بندے کا تو کوئی تقابل ہی نہیں وہ الگ ہے اور انسان الگ ہے، مگر اللہ اپنے بندوں کو اپنی صفت ودود (محبت کرنے والا) کے ذریعہ دنیا میں بھیج کر آخرت کی عمدہ کھیتی کرنے کا موقع عطا فرمایا، ترقی وبلند درجات حاصل کر کے جنت کا وارث بننے کا موقع عطا فرمایا۔

عالم ارواح ایک ایسا مقام ہے جہاں مجاہدے کے سامان نہیں

وہاں تقویٰ اختیار کرنے کے اسباب نہیں تھے، وہاں روح کو اچھائی اور برائی کی طاقت نہیں تھی، اگر انسان اور جنات کو عالم ارواح ہی میں رکھا جاتا' دنیا میں بھیجا نہیں جاتا تو انسان بھی دوسری مخلوقات کی طرح بغیر امتحان کے اس کا بندہ بنا رہتا ہے، وہ کبھی دوست اور ولی نہیں بن سکتا تھا، دوسری مخلوقات کا امتحان نہ ہونے کی وجہ سے ان کی جزاء وسزا نہیں ہے۔

روح کی تندرستی کے لئے حلال رزق استعمال کرنا ہوگا

اللہ پر ایمان کے نور کی معرفت دلوں میں حلال رزق استعمال کرنے سے پیدا ہوتی

ہے، اگر رزق حلال نہیں ہے تو دلوں پر گناہوں کا غلاف چڑھ جاتا ہے، اس لئے اللہ والے رزق کے استعمال میں بہت احتیاط کرتے ہیں، حرام رزق سے قلب میں گندگی اور نجاست پیدا ہوتی ہے، روح بیمار ہو کر دل ایمان کے نور سے خالی ہو کر نجاست سے بھر جاتا ہے، نیکی سے گھبراتا ہے اور گناہوں میں مزہ محسوس کرتا ہے، روح کمزور ہو جاتی ہے، جسم، روح پر غلبہ حاصل کر کے نفس امارہ کو طاقتور بناتا ہے، اور من چاہی زندگی کا شوق دلاتا ہے، شرک، کفر، شراب، زنا، جوا، قتل، لوٹ مار، چوری، ناجائز مال یعنی رشوت، سود، جوڑے کی رقم، دھوکہ دہی، خیانت، بے پردگی، نماز سے دوری، عریانیت، فضول خرچی، ناچ گانا بجانا، جان بوجھ کر اللہ کی بغاوت کرنا اور دوسرے بڑے بڑے گناہوں کا عادی بنتا ہے، اور حق کو مٹانے کی کوشش جیسے شیطانی اعمال کرواتا ہے اور شیطان کی جماعت میں رہنا چاہتا ہے۔

زبان سے اللہ اللہ کہنے کے باوجود دل کی یاد شامل نہیں رہتی، مولانا رومؒ فرماتے ہیں کہ یہ قلبی ذکر نہیں رہتا، زبانی ذکر بن جاتا ہے، زبان کے ذکر میں دل ساتھ نہیں رہتا، حلال رزق کے ساتھ اللہ کے ناموں کے الفاظ معنیٰ اور مفہوم جاننے سے دل بھی زبان کے ساتھ بیدار رہتا ہے اور روح تندرست رہ کر دلوں میں سکون پیدا کرتی ہے، **وَلَذِكْرُ اللَّهِ أَكْبَرُ** نماز سب سے بڑا اللہ کی یاد والا ذکر ہے، اور نماز میں سرّی یا جہری ذکر بھی حضور قلبی، اللہ کی پہچان اور حلال رزق سے پیدا ہوتی ہے، فرمایا گیا:۔ **إِنَّ الصَّلَاةَ تَنْهَىٰ عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنكَرِ** . (عنکبوت:۴۵) بیشک بے نماز فحش اور منکرات سے روکتی ہے۔

اگر یہ کیفیت پیدا نہیں ہو رہی ہے تو پھر انسان اللہ کی معرفت اور حلال رزق سے دور ہے، معرفت الٰہی گندے اور توحید و شرک سے ملے جلے ناپاک قلب میں نہیں آتی، نماز میں غفلت ہی غفلت رہے گی، ایسے انسانوں کی نماز جسم کی ورزش ہو جائے گی، جس طرح آنکھوں کے دیکھنے کا مقصد صورتوں کا علم حاصل کرنا ہے، کانوں کے سننے سے مراد آوازوں کی پہچان ہے، زبان سے چکھنے کا مقصد مزوں کا علم حاصل کرنا ہے، ناک سے سونگھنے کا حاصل خوشبو اور بدبو کی پہچان ہے، ہاتھوں، پیروں کا حاصل سختی، نرمی، گرمی، ٹھنڈک کا ادراک ہے، اسی طرح

دل ودماغ کا مقصد اللہ کی معرفت حاصل کرنا ہے۔

پوری جسم کے اعضاء اپنی اپنی ورزش اور بیدار رہنے مختلف چیزوں کا ادراک کرتے ہیں اور اپنی اپنی معلومات قلب کوفراہم کرتے ہیں اسی طرح قلب کو بیدار رہنے اور صحت مندرہنے' ان سے حاصل ہونے والے علم پر غور وفکر اور تدبر کرنا ہوگا، اگر دماغ کو دماغ کی غذاء غور وفکر نہ دی جائے تو وہ ناکارہ ہوکر جلد بوڑھا بھی ہو جاتا ہے، اور اللہ کا انکار کرواتا ہے اور اللہ کے ساتھ شرک وشرکیہ اعمال وعقائد میں بھی گرفتار کرواتا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے احادیث شریفہ میں ارشاد فرمایا:

☆ بہتا پانی جب تک بہتا ہے تازہ رہتا ہے اور اللہ کا ذکر کرتا ہے۔

☆ کپڑا جب تک میلا نہیں ہوتا پاک صاف رہتا ہے اور اللہ کا ذکر کرتا ہے۔

☆ درخت جب تک ہرا بھرا رہتا ہے' تازہ رہتا ہے اور اللہ کا ذکر کرتا ہے۔

اللہ کے ذکر کی عادت اپنے اندر پیدا کرنے کا آسان طریقہ یہ ہے کہ زیادہ سے زیادہ ہر کام کی مسنون دعاؤں کو معنٰی جان پڑھتے رہنا اور صبح وشام کچھ تسبیحات اذکار کے معنٰی سمجھ کر عادی بنے رہنا ہے، زبان سے بار بار اللہ کا ذکر کرنے سے قلب کی غفلت بھی دور ہوگی اور زبان کا ذکر قلب میں جڑیں پیدا کرے گا اور دل میں توحید ومعرفت الٰہی پیدا ہوگی۔

یَآ اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اذْکُرُوا اللّٰہَ ذِکْراً کَثِیْراً o (الاحزاب: ۴۱) اے ایمان والو! اللہ کا ذکر کثرت سے کیا کرو۔......اللہ نے معرفت دینے کے لئے منطقی ور فلسفیانہ طریقہ اختیار نہیں بلکہ مشاہدات کو پیش کیا۔

مگر ہماری موجودہ تعلیم وتربیت کے طریقۂ کار میں غور وفکر کی تعلیم ہی نہیں ہے، جس کی وجہ سے لوگ مسنون دعائیں' ذکر واذکار اور وظائف کا تو ہر روز اہتمام کرکے پابندی کرلیتے ہیں مگر ان کے معنٰی ومفہوم ہی نہیں جانتے، بغیر سمجھے ثواب وبرکت کے لئے اللہ کے ناموں کا ورد کرتے رہتے ہیں، اور اللہ کی پہچان نہ رکھنے کی وجہ سے توحید کے ساتھ شرک بھی کرتے ہیں، سورۂ یوسف آیت: ۱۰۶ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **وَمَا یُؤْمِنُ اَکْثَرُھُمْ بِاللّٰہِ**

إِلَّا وَهُم مُّشْرِكُونَ o اکثر اللہ کو ماننے والے شرک کرتے ہیں۔

دنیا میں آسمانی کتابوں کو ماننے والوں کی دو قسم کی زندہ مثالیں اللہ نے ہماری ہدایت ورہنمائی کے لئے قیامت تک رکھی ہیں: ایک یہود ونصاریٰ کے مثل ایمان رکھنا اور دوسرا رسول اللہ ﷺ کے صحابہ کرامؓ جیسا خالص ایمان رکھنا۔

اللہ نے یہ تعلیم دی کہ یہود ونصاریٰ نے باوجود اللہ' فرشتوں' کتابوں' پیغمبروں، تقدیر اور آخرت کو ماننے کے اپنے ایمان کو ناکارہ' ناقص اور مردود کر دیا، اس لئے کہ انہوں نے اللہ کو جیسے پہچان کر ماننا تھا' نہیں مانا، فرشتوں پر جس طرح ایمان لانا تھا نہیں لائے، اور کتابوں کا ادب واحترام جس طرح فرمانبرداری کے ساتھ کرنا تھا' نہیں مان کر اپنے علماء کو رب کا درجہ دیا اور کتاب الٰہی کے مقابلے بدعات وخرافات میں مبتلا ہو گئے، وہی حال کتابِ الٰہی قرآن کے ساتھ کیا، اور پیغمبروں میں تفریق کر کے کسی کو مانا اور کسی کو نہیں مانا، اور آخرت کا غلط تصور قائم کر کے اپنی بداعمالیوں کے باوجود بزرگوں سے شفاعت پر نجات کا عقیدہ رکھا۔

ان کے برعکس صحابہ کرامؓ رسول ﷺ کی تعلیمات کے مطابق اللہ تعالیٰ کو پہچان کر ایمان لائے اور شرکیہ عقائد واعمال سے ویسے ہی پرہیز کیا جیسے انسان آگ میں جانے سے' زہر کھانے سے پرہیز کرتا ہے، اور اللہ کو اللہ کی حیثیت سے اور مخلوق کو مخلوق کی حیثیت سے مانا، اور فرشتوں کا ادب واحترام کرتے ہوئے ساری آسمانی کتابوں کی تصدیق کی، سارے پیغمبر جو دنیا میں آئے ان کا ادب واحترام کرتے ہوئے ان پر ایمان لائے، اپنے پیغمبر حضرت محمد ﷺ کی اتباع میں زندگی گذارتے رہے، اور آخرت کا قرآنی عقیدہ ہی رکھتے تھے۔

جب بیج زمین سے پودا بن کر نکلتا ہے تو ہر روز بڑھتا رہتا ہے، تازہ رہ کر نئے نئے پتے' ڈالیاں پیدا ہوتی رہتی ہیں، پھر ہمیشہ پھول اور پھل دینے والا بن کر ہزاروں بیج پیدا کرتا ہے، اسی طرح ایک انسان اللہ پر ایمان لانے کے بعد قرآن مجید کی تاکید پر کائنات میں غور و فکر کر کے ہر روز اپنے اندر اللہ کی معرفت بڑھاتا رہتا ہے، اس سے اس کے ایمان میں یقین اور مضبوطی پیدا ہوتی رہتی ہے اور اللہ پر یقین پیدا کر کے اللہ کی عبدیت وبندگی کرتا ہے۔